ف۱ "عود" کے معنی کسی چیز سے نکل کر دوبارہ اُس کی طرف جانے کے ہیں۔ حضرت شعیبؑ کے ساتھیوں کی نسبت تو یہ لفظ حقیقۃً صادق ہوسکتا ہے کیونکہ وہ لوگ کفر سے نکل کر اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ باقی خود حضرت شعیب علیہ السلام کی نسبت یہ تصوّر نہیں ہوسکتا کہ وہ پہلے (معاذ اللہ) ملت کفار میں داخل تھے، پھر مسلمان ہوئے۔ لامحالہ یا تو اُن کے اعتبار سے یہ خطاب تغلیباً ہوگا۔ یعنی عام مومنین کے حق میں جو الفاظ استعمال ہوئے اکثریت غالبہ کو مرجح سمجھ کر حضرت شعیبؑ کے لئے علیحدہ الفاظ اختیار نہیں گئے۔ اور یا یہ لفظ اُن کے حق میں کفار کے زعم کے موافق کہا گیا۔ کیونکہ بعثت سے پہلے جب تک حضرت شعیبؑ نے دعوت و تبلیغ شروع نہ کی تھی اہل مدین کی کفریات کے متعلق اُن کی خاموشی دیکھ کر شاید وہ یہ ہی گمان کرتے ہوں کہ یہ بھی ہمارے شامل حال اور ہمارے طور و طریق پر راضی ہیں۔ اور یا عود کو مجازاً بمعنی مطلق صیرورت کے لیا جائے۔ کما قالہ بعض المفسرین۔

ف۲ یعنی دلائل و براہین کی روشنی میں تمہاری ان مُہلک کفریات سے خواہ ہم کتنے ہی بیزار اور کارِہ ہوں کیا تم پھر بھی یہ زہر کا پیالہ ہمیں زبردستی پلانا چاہتے ہو۔

ف۳ باطل اور جھوٹے مذہب کو سچا کہنا ہی خدا پر افترا کرنا اور بہتان باندھنا ہے پھر بھلا ایک جلیل القدر پیغمبر اور اُس کے مخلص متبعین سے یہ کب ممکن ہے کہ وہ معاذ اللہ سچائی سے نکل کر جھوٹ کی طرف واپس جائیں اور جو سچے دعوے اپنی حقانیت یا مامور من اللہ ہونے کے کر رہے تھے اُن سب کا بھی جھوٹ اور افترا ہونا تسلیم کریں۔

ف۴ کسی کو تو ابتداءً نجات دے چکا کہ اُس میں داخل ہی نہ ہونے دیا۔ جیسے حضرت شعیب علیہ السلام۔ اور بعضوں کو داخل ہونے کے بعد اُس سے نکالا جیسے عامہ مومنین

ف۵ یعنی اپنے اختیار یا تمہارے اکراہ و اجبار سے ممکن نہیں کہ ہم معاذ اللہ کفر کی طرف جائیں۔ ہاں اگر فرض کرو خدا ہی کی مشیت ہم میں سے کسی کی نسبت ایسی ہو جائے تو اُس کے ارادہ کو کون روک سکتا ہے۔ اگر اُس کی حکمت اُسی کو مقتضی ہو تو وہاں کوئی نہیں بول سکتا کیونکہ اُسی کا علم تمام مصالح اور حکمتوں پر محیط ہے۔ بہرحال تمہاری دھمکیوں سے ہم کو کوئی خوف نہیں کیونکہ ہمارا بالکلیہ اعتماد اور بھروسہ اپنے خدائے واحد پر ہے کسی کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جو ہوگا اسی کی مشیت اور علم محیط کے تحت میں ہوگا اسی لئے ہم اپنے اور تمہارے فیصلہ کے لئے بھی اُسی سے دعا کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسے قادر اور علیم و حکیم سے بہتر کسی کا فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ حضرت شعیبؑ کے ان الفاظ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ انبیاء کے قلوب حق تعالیٰ کی عظمت و جبروت اور اپنی عبودیت و افتقار کے کس قدر عظیم و عمیق احساس سے معمور ہوتے ہیں اور کس طرح ہر آن اور ہر حال میں اُن کا توکل و اعتماد تمام وسائط سے منقطع ہو کر اسی وحدہٗ لاشریک لہٗ پر پہاڑ سے زیادہ مضبوط اور غیر متزلزل ہوتا ہے۔

ف۶ یعنی باپ دادا کا مذہب جھوٹا، یہ تو دین کی خرابی ہوئی اور تجارت میں ناپ تول ٹھیک رکھی، یہ دنیا کا نقصان ہوا۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ

بولے سردار جو متکبر تھے اُس کی قوم میں، ہم ضرور نکال دیں گے، اے شعیب

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ

تجھ کو اور اُن کو جو کہ ایمان لائے تیرے ساتھ اپنے شہر سے یا یہ کہ تم لوٹ آؤ ہمارے دین میں ف۱ بولا

اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۞ ۸۸ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ

کیا ہم بیزار ہوں تو بھی ف۲ بیشک ہم نے بہتان باندھا اللہ پر جھوٹا اگر لوٹ آئیں تمہارے

مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ

دین میں ف۳ بعد اس کے کہ نجات دے چکا ہم کو اللہ اُس سے ف۴ اور ہمارا کام نہیں کہ لوٹ آئیں

فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى

اُس میں مگر یہ کہ چاہے اللہ رب ہمارا گھیرے ہوئے ہے ہمارا پروردگار سب چیزوں کو اپنے علم میں

اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ

اللہ ہی پر ہم نے بھروسا کیا اے ہمارے رب فیصلہ کر ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ اور تو سب سے بہتر

الْفٰتِحِيْنَ ۞ ۸۹ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ

فیصلہ کرنے والا ہے ف۵ اور بولے سردار جو کافر تھے اُس کی قوم میں اگر پیروی کرو گے تم

شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۞ ۹۰ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا

شعیب کی تو تم بیشک خراب ہوگے ف۶ پھر آ پکڑا اُن کو زلزلے نے پس صبح کو رہ گئے

فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۞ ۹۱ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا

اپنے گھروں کے اندر اوندھے پڑے ف۷ جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو گویا کبھی بسے ہی نہ تھے

فِيْهَا ۛ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ۞ ۹۲ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ

وہاں جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو وہی ہوئے خراب ف۸ پھر اُلٹا پھرا اُن لوگوں سے

وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ

اور بولا اے میری قوم میں پہنچا چکا تم کو پیغام اپنے رب کے اور خیر خواہی کر چکا تمہاری اب کیا

ف۷ متعدد آیات کے جمع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان پر ظلہ، صیحہ، رجفہ تین طرح کے عذاب آئے۔ یعنی اوّل بادل نے سایہ کر لیا جس میں آگ کے شعلے اور چنگاریاں تھیں۔ پھر آسمان سے سخت ہولناک اور جگر پاش آواز ہوئی اور نیچے سے زلزلہ آیا (ابن کثیر) ف۸ انہوں نے شعیب اور اُن کے ہمراہیوں کو بستی سے نکالنے کی دھمکی دی تھی۔ سو وہ ہی نہ رہے نہ اُن کی بستیاں رہیں، اور وہ جو کہتے تھے کہ شعیب علیہ السلام کے اتباع کرنے والے خراب ہوں گے، سو خود ہی خراب اور خائب و خاسر ہو کر رہے۔

اسٰی عَلٰی قَوْمٍ کٰفِرِیْنَ ﴿۹۳﴾ ع وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ
افسوس کروں کافروں پر ف۱ اور نہیں بھیجا ہمنے کسی بستی میں کوئی نبی کہ نہ
اَخَذْنَآ اَہْلَہَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّہُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا
پکڑا ہو ہم نے وہاں کے لوگوں کو سختی اور تکلیف میں تاکہ وہ گڑگڑائیں پھر بدل دی ہمنے
مَکَانَ السَّیِّئَۃِ الْحَسَنَۃَ حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ
برائی کی جگہ بھلائی یہاں تک کہ وہ بڑھ گئے اور کہنے لگے کہ پہنچتی رہی ہے ہمارے باپ دادوں کو بھی تکلیف
وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰہُمْ بَغْتَۃً وَّہُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ اَنَّ اَہْلَ الْقُرٰٓی
اور خوشی پھر پکڑا ہم نے ان کو ناگہاں اور ان کو خبر نہ تھی ف۲ اور اگر بستیوں والے
اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْہِمْ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰکِنْ
ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ہم کھول دیتے ان پر نعمتیں آسمان اور زمین سے لیکن
کَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰہُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَہْلُ الْقُرٰٓی اَنْ
جھٹلایا انہوں نے، پس پکڑا ہم نے ان کو ان کے اعمال کے بدلے ف۳ اب کیا بے ڈر ہیں بستیوں والے اس سے کہ
یَّاْتِیَہُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّہُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَاَمِنَ اَہْلُ الْقُرٰٓی اَنْ
آپہنچے ان پر آفت ہماری راتوں رات جب سوتے ہوں یا بے ڈر ہیں بستیوں والے اس بات سے کہ
یَّاْتِیَہُمْ بَاْسُنَا ضُحًی وَّہُمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَکْرَ اللّٰہِ فَلَا
آپہنچے ان پر عذاب ہمارا دن چڑھے جب کھیلتے ہوں ف۴ کیا بے ڈر ہو گئے اللہ کے داؤ سے سو
یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ ع اَوَلَمْ یَہْدِ لِلَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ
بے ڈر نہیں ہوتے اللہ کے داؤ سے مگر خرابی میں پڑنے والے ف۵ کیا نہیں ظاہر ہوا ان لوگوں پر جو وارث ہوئے
الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ اَہْلِہَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰہُمْ بِذُنُوْبِہِمْ وَ
زمین کے وہاں کے لوگوں کے ہلاک ہونیکے بعد کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو پکڑ لیں ان کے گناہوں پر ف۶ اور
نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ فَہُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ تِلْکَ الْقُرٰی نَقُصُّ عَلَیْکَ
ہم نے مہر کر دی ہے ان کے دلوں پر سو وہ نہیں سنتے یہ بستیاں ہیں کہ سناتے ہیں ہم تجھ کو

ف۱ یعنی اب ہلاک ہوئے پیچھے ایسی قوم پر افسوس کرنے سے کیا حاصل جس کو ہر طرح سمجھایا جا چکا۔ مؤثر نصیحتیں کی گئیں آنے والے عواقب و نتائج سے ڈرایا گیا۔ مگر انہوں نے کسی کی ایک نہ سُنی بلکہ مخلص خیرخواہوں سے دست و گریباں ہی رہے۔ ف۲ پیغمبروں کی بعثت کے وقت جب عموماً لوگ تکذیب و مقابلہ سے پیش آتے ہیں، تو خدا کی طرف سے ابتدائی تنبیہ کے طور پر بیماری، قحط اور مختلف قسم کی سختیاں اور تکلیفیں مسلّط کی جاتی ہیں۔ تاکہ مکذبین تازیانے کھا کر شرارتوں سے باز آجائیں اور بارگاہِ الٰہی کی طرف جھکیں۔ جب ان تنبیہات کا اثر قبول نہیں کرتے تو سختیوں اور مصیبتوں کو ہٹا کر ان پر فراخی اور عیش و خوشحالی وغیرہ بھیجی جاتی ہے کہ یا احسانات سے متأثر ہو کر کچھ شرمائیں اور حضرت ربوبیت کی طرف متوجہ ہوں یا عیش و ثروت کے نشہ میں چُور ہو کر بالکل ہی غافل و بدمست بن جائیں۔ گویا جہاں تک صحت، اولاد اور دولت و حکومت بڑھتی جائے اُسی کے ساتھ اُن کی نخوت و غفلت میں بھی ترقی ہو حتیٰ کہ پچھلی سختیوں کو یہ کہہ کر فراموش کر دیں کہ تکلیف و راحت کا سلسلہ تو پہلے ہی سے چلا آتا ہے۔ ہمارے کفر و تکذیب کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ ورنہ اب خوشحالی کیوں حاصل ہوتی۔ یہ سب زمانہ کے اتفاقات ہیں جو ہمارے اسلاف کو بھی اسی طرح پیش آتے رہے ہیں۔ اس حد پر پہنچ کر ناگہاں خدا کا عذاب آدباتا ہے جس کی اپنے عیش و آرام میں انہیں خبر بھی نہیں ہوتی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے کیا خوب لکھا ہے کہ "بندہ کو دنیا میں گناہ کی سزا پہنچتی رہے تو امید ہے کہ توبہ کرے اور جب گناہ راست آگیا تو یہ اللہ کا بہلاوا ہے۔ پھر ڈر ہے ہلاکت کا جیسے کسی نے زہر کھایا اگل دے تو امید ہے اور پچ گیا تو کام آخر ہوا۔

ف۳ یعنی ہم کو بندوں سے کوئی ضد نہیں جو لوگ عذاب الٰہی میں گرفتار ہوتے ہیں یہ انہی کی کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔ اگر یہ لوگ ہمارے پیغمبروں کو مانتے اور حق کے سامنے گردن جھکاتے اور کفر و تکذیب وغیرہ سے بچ کر تقویٰ کی راہ اختیار کرتے تو ہم ان کو آسمانی و زمینی برکات سے مالامال کر دیتے۔ امام رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ برکت کا لفظ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے کبھی تو خیر باقی و دائم کو برکت سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی کثرت آثار فاضلہ پر یہ لفظ اطلاق کیا جاتا ہے۔ لہٰذا آیت کی مراد یہ ہوگی کہ ایمان و تقویٰ اختیار کرنے پر ان آسمانی و زمینی نعمتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے جو دائمی اور غیر منقطع ہوں یا جن کے آثار فاضلہ بہت کثرت سے ہوں۔ ایسی خوشحالی نہیں، جو مکذبین کو چند روز کے لئے بطور امہال و استدراج حاصل ہوتی ہے اور انجام کار دنیا میں ورنہ آخرت میں تو ضرور ہی وبال جان بنتی ہے۔

ف۴ یعنی جب عیش و آرام میں غافل پڑے سو رہے ہوں یا دنیا کے کاروبار اور لہو و لعب میں مشغول ہوں اُس وقت خدا کا عذاب ان کو دفعۃً آگھیرے۔ اس بات سے یہ لوگ کیوں نڈر اور بے فکر ہو رہے ہیں۔ حالانکہ جن اسباب کی بنا پر گذشتہ اقوام پر عذاب آئے ہیں، وہ ان میں بھی موجود ہیں یعنی کفر و تکذیب اور سید الانبیاء صلعم کے ساتھ مقابلہ و محاربہ۔

ف۵ دنیوی خوشحالی اور عیش کے بعد جو خدا کی ناگہانی پکڑ ہے، اُسی کو "مکر اللہ" (خدا کا داؤ) فرمایا عیش و تنعم میں پڑ کر وہی لوگ خدا کی ناگہانی گرفت سے بے فکر ہوتے ہیں جن کی شامت اعمال نے انہیں دھکا دے دیا ہو۔ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ کسی حال میں خدا کو نہ بھولے ؎ ظفر اُسکو آدمی نہ جانئے گا، گو ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا۔ ف۶ جیسے پہلوں کو پکڑ لیا تمہیں بھی پکڑ سکتے ہیں۔

مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا

اُن کے کچھ حالات اور بیشک اُن کے پاس پہنچ چکے اُن کے رسُول نشانیاں لے کر پھر ہرگز نہ ہوا کہ ایمان

بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

لائیں اس بات پر جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے یوں مہر کر دیتا ہے اللہ کافروں کے دل پر ف۱

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

اور نہ پایا اُن کے اکثر لوگوں میں ہم نے عہد کا نباہ اور اکثر اُن میں پائے نافرمان ف۲

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَظَلَمُوْا

پھر بھیجا ہم نے اُن کے پیچھے ف۳ موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اسکے سرداروں کے پاس پس کفر کیا

بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى

انہوں نے انکے مقابلہ میں، سو دیکھ کیا انجام ہوا مفسدوں کا ف۴ اور کہا موسیٰ نے

يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ

اے فرعون میں رسُول ہوں پروردگار عالم کا قائم ہوں اس بات پر کہ

لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۚ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ

نہ کہوں اللہ کی طرف سے مگر جو سچ ہے لایا ہوں تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی ف۵

فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ

سو بھیج دے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو ف۶ بولا اگر تو آیا ہے کوئی نشانی لے کر تو لا

بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ

اس کو اگر تو سچا ہے تب ڈال دیا اس نے اپنا عصا تو اسی وقت ہو گیا اژدہا

مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ قَالَ الْمَلَاُ

صریح ف۷ اور نکالا اپنا ہاتھ تو اسی وقت وہ سفید نظر آنے لگا دیکھنے والوں کو ف۸ بولے سردار

مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ

فرعون کی قوم کے یہ تو کوئی بڑا واقف جادوگر ہے ف۹ نکالنا چاہتا ہے تم کو

ف۱ یعنی جس چیز کا ایک دفعہ انکار کر بیٹھے، پھر کتنے ہی نشان دیکھیں دنیا اِدھر سے اُدھر ہو جائے، ممکن نہیں کہ اُس کا اقرار کر لیں۔ جب حق تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی قوم کی ضد اور ہٹ اس درجہ تک پہنچ جاتی ہے تب عادتاً اصلاح حال و قبول حق کا امکان باقی نہیں رہتا۔ یہی صورت دلوں پر مُہر لگ جانے کی ہوتی ہے۔ یہاں واضح فرمادیا کہ اللہ کی طرف سے دلوں پر مُہر لگا دینے کا کیا مطلب ہے (تنبیہ) وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ سے معلوم ہو گیا کہ جو انبیاء علیہم السلام قوم نوحؑ، عاد، ثمود، قوم لُوط، اہل مدین کی بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے وہ سب بینات (واضح نشان) دے کر بھیجے گئے۔ پس ہود علیہ السلام کی قوم کا یہ کہنا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ الخ محض تعنت و عناد کی راہ سے تھا۔

ف۲ "عہد" سے ممکن ہے عام عہود مراد ہوں یا خاص "عہد الست" کا ارادہ کیا گیا ہو، یا وہ عہد جو مصائب اور سختیوں کے وقت کرتے تھے کہ فلاں سختی اُٹھالی جائے تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔ جیسے فرعونیوں نے کہا تھا لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ۔

ف۳ یعنی جن انبیاء کا پہلے ذکر ہوا (نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب علیہم السلام) موسیٰ علیہ السلام ان سب کے بعد تشریف لائے۔ اُن پیغمبروں کا ذکر فرمانے کے بعد درمیان میں "سُنۃ اللہ" بیان فرمائی تھی جو مکذبین کے متعلق جاری رہی ہے جس کے ضمن میں موجودہ جماعت کفار کو متنبہ فرمادیا گیا۔ اس درمیانی مضمون سے فارغ ہو کر پھر سلسلہ بعثت رُسل کی ایک عظیم الشان کڑی کا ذکر شروع کرتے ہیں۔

ف۴ اُس سے زیادہ مفسد کون ہوگا جو خدا کے سفراء کو جھٹلائے۔ آیات اللہ کی تکذیب اور حق تلفی کرے، مخلوق خدا سے اپنی پرستش کرائے۔ آگے ضروری واقعات ذکر فرما کر اس انجام کی تفصیل کی گئی ہے۔

ف۵ اکثر مفسرین نے "حقیق" کے معنی جدیر (لائق) کے لئے ہیں۔ اسی لئے "علیٰ" کو بمعنی "با" لینا پڑا ہے یعنی میری شان کے یہی لائق ہے کہ خدا کی طرف سے کوئی ناحق اور غلط بات نہ کہوں۔ بعض نے "حقیق" کو بمعنی "حریص" لیا ہے لیکن مترجم محقق رحمہ اللہ نے "حقیق" کو "قائم و ثابت" کے معنی میں لیا۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں بدون ادنیٰ اتزلزل اور تذبذب کے پوری مضبوطی اور استقلال کے ساتھ اس پر قائم ہوں کہ سچ کے سوا کوئی چیز زبان سے نہ نکالوں، خدا کا پیام بلا کم و کاست تم کو پہنچادوں۔ اور تمہاری تکذیب و تخویف کی وجہ سے ذرا بھی نہ ڈگمگاؤں۔

ف۶ یوں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو کئی طرح کی نصیحتیں کیں جیسا کہ دوسری آیات میں مذکور ہیں فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى مگر ایک بڑی مہم چیز یہ تھی کہ بنی اسرائیل کو جو انبیائے کرام کی اولاد میں سے تھے اور جنہیں فرعونیوں نے ذلیل جانوروں کی طرح غلام بنا رکھا تھا، مظالم و شدائد سے نجات دلائیں اس موقع پر فرعون کو مخاطب کرتے ہوئے اسی چیز کی طرف توجہ دلائی ہے یعنی بنی اسرائیل کو اپنی قید و بیگار سے نجات دے تاکہ وہ آزادی کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول ہوں اور میرے ساتھ اپنے وطن مالوف (ملک شام) میں چلے جائیں کیونکہ اُن کے جدّ اعلیٰ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے عراق سے ہجرت کر کے شام ہی میں قیام فرمایا تھا۔ بعدہٗ حضرت یوسف علیہ السلام کی وجہ سے بنی اسرائیل مصر میں آباد ہوئے۔ اب چونکہ یہاں کی قوم قبطیوں نے اُن پر طرح طرح کے مظالم کر رکھے ہیں، ضرورت ہے کہ انکو قبطیوں کی ذلیل غلامی سے آزادی دلا کر آبائی وطن کی طرف واپس کیا جائے۔

ف۷ جس کے اژدہا ہونے میں کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی کہتے ہیں کہ وہ اژدہا منہ کھول کر فرعون کی طرف لپکا آخر فرعون نے بدحواس ہو کر موسیٰ علیہ السلام سے اُسکے پکڑنے کی درخواست کی۔ موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ لگانا تھا کہ پھر عصا بن گیا۔

ف۸ یعنی ہاتھ گریبان میں ڈال کر اور بغل میں دبا کر نکالا تو لوگوں نے کھُلی آنکھوں دیکھ لیا کہ غیر معمولی طور پر سفید اور چمکدار تھا۔ یہ روشنی اور چمک کسی مرض برص وغیرہ کی وجہ سے نہ تھی، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قلب منوّر کی روشنی بطریق اعجاز ہاتھ میں سرایت کر جاتی تھی۔

ف۹ معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے ہیبت زدہ ہو کر پبلک کو جمع کیا اور پہلے اس نے بذاتِ خود دکھائی (الشعراء) پھر اُس کی طرف سے بڑے بڑے لیڈروں نے اس رائے کا اظہار کیا کہ موسیٰ علیہ السلام (معاذ اللہ) کوئی بڑے ماہر جادوگر معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ جو خوارق موسیٰ علیہ السلام سے ظاہر ہوئے اُن کی حسیّات کے موافق جادو سے بہتر اُن کی کوئی توجیہ نہ ہو سکتی تھی۔

مِنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ

تمہارے ملک سے اب تمہاری کیا صلاح ہے ف۱ . بولے ڈھیل دے اُسکو اور اُسکے بھائی کو اور بھیج

فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ

پرگنوں میں جمع کرنے والوں کو کہ جمع کر لائیں تیرے پاس جو ہو کامل جادوگر ف۲ اور آئے جادوگر

فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ

فرعون کے پاس، بولے ہمارے لئے کچھ مزدوری ہے اگر ہم غالب ہوئے ف۳ بولا

نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ

ہاں اور بیشک تم مقرب ہو جاؤ گے ف۴ . بولے اے موسیٰ یا تو تُو ڈال

وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا

اور یا ہم ڈالتے ہیں ف۵ کہا ڈالو ف۶ پھر جب انہوں نے ڈالا باندھ دیا

اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ

لوگوں کی آنکھوں کو اور اُن کو ڈرا دیا اور لائے بڑا جادو ف۷ اور ہم نے حکم بھیجا

اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

موسیٰ کو کہ ڈال دے اپنا عصا سو وہ جبھی لگا نگلنے جو سانگ انہوں نے بنایا تھا

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا

پس ظاہر ہو گیا حق اور غلط ہو گیا جو کچھ انہوں نے کیا تھا پس ہار گئے اس جگہ اور لوٹ گئے

صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ

ذلیل ہو کر اور گر پڑے جادوگر سجدہ میں ف۸ . بولے ہم ایمان لائے پروردگار

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ

عالم پر جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا ف۹ بولا فرعون کیا تم ایمان لے آئے

قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ

اُس پر میری اجازت سے پہلے یہ تو مکر ہے جو بنایا تم سب نے اس شہر میں

ف۱ یعنی عجیب و غریب ساحرانہ کرشمے دکھلا کر مخلوق کو اپنی طرف مائل کر لے اور انجام کار ملک میں اثر و اقتدار پیدا کر کے اور بنی اسرائیل کی حمایت و آزادی کا نام لے کر قبطیوں کو جو یہاں کے اصلی باشندے ہیں، اُن کے ملک و وطن (مصر) سے بے دخل کر دے۔ ان حالات کو پیش نظر رکھ کر مشورہ دو کہ کیا ہونا چاہئے۔ ف۲ مشاورت باہمی کے بعد یہ پاس ہوا کہ فرعون سے درخواست کی جائے کہ وہ ان دونوں (موسیٰ و ہارون) کے معاملہ میں جلدی نہ کرے۔ ان کا بہترین توڑ اور مؤثر جواب یوں ہو سکتا ہے کہ چپراسی بھیج کر تمام قلمرو میں سے فن سحر کے جاننے والے جوان سے بھی بڑھ کر اس فن کے ماہر دستکار ہوں جمع کر لئے جائیں، اُن سے اِن کا مقابلہ کرایا جائے۔ چنانچہ یوں ہی کیا گیا۔

ف۳ ساحرین فرعون نے اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا کہہ کر پہلے ہی قدم پر جتلا دیا کہ انبیاء علیہم السلام جن کا پہلا لفظ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ہوتا ہے، کوئی پیشہ ور لوگ نہیں ہوتے۔

ف۴ یعنی مزدوری کیا چیز ہے وہ تو ملیگی، اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ تم ہمارے مقربین بارگاہ اور مصاحبین خاص میں داخل کر لئے جاؤ گے۔

ف۵ یہ شاید اس بنا پر کہا کہ پیشتر حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے رُوبرو عصا ڈال کر باذن اللہ اژدہا بنا چکے تھے۔

ف۶ یعنی جب تم کو یہ مقابلہ ہی منظور ہے اور اسی پر آخری فیصلہ کا انحصار کرتے ہو تو پہلے تم ہی ڈال کر پوری قوت آزمائی کر لو۔ کیونکہ باطل کی پوری نمائش اور زور آزمائی کے بعد جو حق کا غلبہ مشاہد ہوگا، وہ امید ہے کہ زیادہ مؤثر اور اوقع فی النفوس ہو تو فی الحقیقت یہ موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے سحر کے ساتھ معجزہ کا مقابلہ کرنے کی اجازت نہ تھی بلکہ دو صورتوں میں سے ایک ایسی صورت کا انتخاب تھا جو باطل کے خمود اور حق کے غلبہ و وضوح کی مؤثر ترین صورت ہو سکتی تھی۔

ف۷ یعنی جادو کے زور سے نظر بندی کر کے مجمع پر چھا گئے اور لوگوں کو مرعوب کر لیا۔ دوسری آیت میں ہے کہ اُنہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینک دیں جس سے زمین پر سانپ ہی سانپ دوڑتے معلوم ہونے لگے (يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى) ان آیات سے ظاہر ہوا کہ ساحرین فرعون نے اُس وقت جو شعبدہ دکھلایا تھا، اُس میں فی الواقع قلب ماہیت نہیں ہوا۔ بلکہ وہ محض تخییل اور نظر بندی تھی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام اقسام سحر اسی میں منحصر ہوں، شاید انہوں نے یہ گمان کیا ہو کہ ہم اتنی ہی کارروائی سے موسیٰ علیہ السلام کو دبالیں گے۔ اور کچھ گنجائش ملتی تو ممکن تھا کہ اس سحر عظیم سے بھی بڑا کوئی سحر اعظم دکھلاتے، مگر اعجاز موسوی نے سحر کو پہلے ہی مورچہ پر مایوس کُن شکست دے دی، آگے موقع ہی نہ رہا کہ مزید مقابلہ جاری رکھا جاتا۔

ف۸ یعنی عصائے موسیٰ سانپ بن کر اُن کی تمام لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل گیا اور سارا بنا بنایا کھیل ختم کر دیا۔ جس سے ساحرین کو تنبہ ہوا کہ یہ سحر سے بالاتر کوئی اور حقیقت ہے۔ آخر فرعون کے لوگ بھرے مجمع میں شکست کھا کر اور ذلیل ہو کر میدان مقابلہ سے لوٹے، اور ساحرین خدائی نشان دیکھ کر بے اختیار سجدہ میں گر پڑے۔ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ و ہارون نے ظہور حق پر سجدۂ شکر ادا کیا۔ اُسی وقت ساحرین بھی سربسجود ہو گئے۔ اُلْقِيَ السَّحَرَةُ کا لفظ بتلاتا ہے کہ کوئی ایسا قوی حال اُن پر طاری ہوا جس کے بعد بجز خضوع و استسلام کوئی چارہ نہیں رہا۔ رحمتِ الٰہیہ کا کیا کہنا کہ جو لوگ ابھی ابھی پیغمبر خدا سے نبرد آزمائی کر رہے تھے سجدہ سے سر اُٹھاتے ہی اولیاء اللہ اور عارف کامل بن گئے۔ ف۹ چونکہ فرعون بھی اپنی نسبت اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کہتا تھا، شاید اس لئے رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ کے ساتھ رب موسیٰ و ہارون کہنے کی ضرورت ہوئی اس میں یہ بھی اشارہ ہو گیا کہ بیشک جہان کا پروردگار وہ ہی ہو سکتا ہے جس نے موسیٰ و ہارون کو اپنی خاص ربوبیت سے بدون توسط اسباب ظاہرہ دنیا کے متکبروں پر علی رؤس الاشہاد اس طرح غالب کر کے دکھلا دیا۔

ف۱ یعنی یہ تم سب جادوگروں کی ملی بھگت ہے، غالباً موسیٰ تمہارا بڑا اُستاد ہوگا۔ اُس کو آگے بھیجدیا پھر سب نے اپنی مغلوبیت کا اظہار کردیا۔ تاکہ عام لوگ متأثر ہوجائیں۔ اس گہری سازش سے تمہارا مقصود یہ ہے کہ اس ملک کے اصلی باشندوں کو نکال باہر کرو اور خود مصر کی سلطنت پر قبضہ کرلو۔ یہ تقریر فرعون نے اپنی کھلی شکست پر پردہ ڈالنے اور لوگوں کو اُلّو بنانے کی غرض سے کی تھی (فاستخف قومہٗ فاطاعوہ) مگر جس چیز سے فرعون اور فرعونی ڈر رہے تھے، آخر تقدیرالٰہی سے وہ ہی پیش آئی ونُری فرعون وھامان وجنودھما منھم ما کانوا یحذرون (القصص۔ رکوع ۱)

ف۲ ساحرین توحید اور تمنائے لقاء اللہ کی شراب سے مخمور ہوچکے تھے، جنت و دوزخ گویا آنکھوں کے سامنے تھیں۔ بھلا وہ ان دھمکیوں کی کیا پروا کرسکتے تھے انہوں نے صاف کہہ دیا کہ کچھ مضائقہ نہیں جو کرنا ہو کر گذر پھر ہم کو اپنے خدا کے پاس جانا ہے تیرے سر ہوکر سہی۔ وہاں کے عذاب سے یہاں کی تکلیف آسان ہے اور اُس کی رحمت و خوشنودی کے راستہ میں دنیا کی بڑی سے بڑی تکالیف و مصائب کا برداشت کرلینا بھی عاشقوں کے لئے سہل ہے۔

ھنیئاً لارباب النعیم نعیمھم ۔ وللعاشق المسکین ما یتجرع

لِتُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿١٢٣﴾ لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ

تاکہ نکال دو اس شہر سے اُسکے رہنے والونکو، سو اب تم کو معلوم ہوجائیگا ف۱ میں ضرور کاٹونگا تمہارے ہاتھ

وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٢٤﴾ قَالُوا إِنَّا

اور دوسری طرف کے پاؤں پھر سُولی پر چڑھاؤنگا تم سب کو وہ بولے ہم کو تو

إِلَىٰ رَبِّنَا مُنقَلِبُونَ ﴿١٢٥﴾ وَمَا تَنقِمُ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِآيَاتِ رَبِّنَا

اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہی ہے ف۲ اور تجھ کو ہم سے یہی دشمنی ہے کہ مان لیا ہم نے اپنے رب کی نشانیوں کو

لَمَّا جَاءَتْنَا ۚ رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ ﴿١٢٦﴾

جب وہ ہم تک پہنچیں اے ہمارے رب دہانے کھول دے ہم پر صبر کے اور ہم کو مار مسلمان ف۳

وَقَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا

اور بولے سردار قوم فرعون کے کیوں چھوڑتا ہے تو موسیٰ کو اور اُسکی قوم کو کہ دھوم مچائیں

فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ ۚ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ وَ

ملک میں ف۴ اور موقوف کردے تجھ کو اور تیرے بتوں کو ف۵ بولا اب ہم مار ڈالینگے اُن کے بیٹوں کو اور

نَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿١٢٧﴾ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ

زندہ رکھیں گے اُنکی عورتوں کو اور ہم اُن پر زور آور ہیں ف۶ موسیٰ نے کہا اپنی قوم سے

اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا ۖ إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَن يَشَاءُ

مدد مانگو اللہ سے اور صبر کرو بیشک زمین ہے اللہ کی اُس کا وارث کردے جس کو وہ چاہے

مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٢٨﴾ قَالُوا أُوذِينَا مِن قَبْلِ

اپنے بندوں میں اور آخر میں بھلائی ہے ڈرنیوالوں کے لئے ف۷ وہ بولے ہم پر تکلیفیں رہیں تیرے آنے

أَن تَأْتِيَنَا وَمِن بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۚ قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُهْلِكَ

سے پہلے اور تیرے آنے کے بعد ف۸ کہا نزدیک ہے کہ رب تمہارا ہلاک کردے

عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿١٢٩﴾ ع

تمہارے دشمن کو اور خلیفہ کردے تم کو ملک میں پھر دیکھے تم کیسے کام کرتے ہو ف۹

ف۳ یعنی جس رب کی نشانیوں کو مان لینے سے ہم تیری نگاہ میں مجرم ٹھہرے ہیں، اُسی رب سے ہماری دعا ہے کہ وہ تیری زیادتیوں اور سختیوں پر ہم کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور مرتے دم تک اسلام پر مستقیم رکھے ایسا نہ ہو کہ گھبرا کر کوئی بات تسلیم و رضا کے خلاف کر گذریں۔

ف۴ جب حق کے نشان دیکھ کر ساحرین سجدہ میں گر پڑے اور بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دینا شروع کردیا بلکہ بعض قبطیوں کا میلان بھی اُن کی طرف ہونے لگا تو فرعونی لیڈر گھبرائے اور فرعون کو یہ کہکر تشدد پر آمادہ کرنے لگے کہ موسیٰ اور اُس کی قوم بنی اسرائیل کو یہ موقع نہ دینا چاہیئے کہ وہ آزاد رہ کر ملک میں اُودھم مچاتے پھریں اور عام لوگوں کو اپنی طرف مائل کرکے حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کردیں اور آیندہ تیری اور تیرے تجویز کئے ہوئے معبودوں کی پرستش ملک سے موقوف کرادیں۔

ع ۱۴

ف۵ فرعون اپنے کو "رب اعلیٰ" بڑا پروردگار کہتا تھا۔ غالباً اسی "اعلیٰ" کو نباہنے کے لئے کچھ ادنیٰ پروردگار بھی تجویز کئے ہونگے۔ اُن کو یہاں "آلھتک" کہا بعض نے کہا کہ وہ گائے وغیرہ کی مجسم تصویریں تھیں بعض نے سورج اور ستاروں کا ارادہ کیا ہے بعض کے نزدیک خود فرعون نے اپنی تصویریں کے مجسّمے پرستش کے لئے تقسیم کردیئے تھے۔ کچھ سہی بہرحال بڑا معبود اپنے ہی کو کہلواتا تھا۔ اور ما علمت لکم من الٰہ غیری کہہ کر خدا کے وجود کی نفی کرتا تھا۔ العیاذ باللہ۔

ف۶ موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے بھی فرعون نے بنی اسرائیل پر ظلم کر رکھا تھا کہ لڑکوں کو قتل کردیتا۔ اس خوف سے کہ کہیں یہ وہی اسرائیلی نہ ہو جس کے ہاتھ پر اُس کی سلطنت کے زوال کی خبر منجمین نے دی تھی۔ اور لڑکیوں کو خدمت وغیرہ کے لئے زندہ رہنے دیتا۔ اب موسیٰ علیہ السلام کا اثر دیکھ کر اندیشہ ہوا کہ کہیں اس کی تربیت و اعانت سے بنی اسرائیل زور نہ پکڑ جائیں اس لئے انہیں خوفزدہ اور عاجز کرنے کے لئے اپنے زور و قوت کے نشہ میں پھر اُسی پرانی اسکیم پر عمل کرنے کی ٹھہرائی۔ بنی اسرائیل اِس سفاکانہ تجویز کو سُن کر طبعی طور پر پریشان اور دہشت زدہ ہوئے ہونگے۔ اُس کا علاج موسیٰ علیہ السلام نے آیندہ آیت میں بتلایا۔

ع ۱۵

ف۷ یعنی گھبرانے کی کوئی بات نہیں اللہ کے سامنے کسی کا زور نہیں چلتا، ملک اُسی کا ہے جس کو مناسب جانے عطا فرمائے۔ لہٰذا ظالم کے مقابلہ میں اُسی سے مدد مانگو۔ اُسی پر نظر رکھو، اُسی سے ڈرو، صبر و تقویٰ کی راہ اختیار کرو، اور یقین رکھو، کہ آخری کامیابی صرف متقین کے لئے ہے۔ ف۸ یعنی ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے۔ تمہاری تشریف آوری سے قبل ہم سے ذلیل بیگار لی جاتی تھی۔ اور ہمارے لڑکے قتل کئے جاتے تھے۔ تمہارے آنے کے بعد طرح طرح کی سختیاں کی جارہی ہیں اور قتل ابناء کے مشورے ہورہے ہیں۔ دیکھئے کب ہماری مصیبتوں کا خاتمہ ہو۔ ف۹ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تسلی دی کہ زیادہ مت گھبراؤ۔ خدا کی مدد قریب آگئی ہے۔ تم دیکھ لوگے کہ تمہارا دشمن ہلاک کردیا جائیگا اور تم کو اُن کے اموال و املاک کا مالک بنادیا جائیگا تاکہ جس طرح آج سختی و غلامی میں تمہارا امتحان ہورہا ہے، اُس وقت خوشحالی اور آزادی دیکر آزمایا جائے کہ کہاں تک اُس کی نعمتوں کی قدر اور احسانات کی شکرگذاری کرتے ہو۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ کلام مسلمانوں کے سُنانے کو نقل فرمایا، یہ سورت مکی ہے، اس وقت مسلمان بھی ایسے ہی مظلوم تھے "گفتہ آید در حدیثِ دیگراں" کے رنگ میں یہ بشارت اُن کو پہنچائی۔

ف۱ گذشتہ آیت میں فرمایا تھا" قریب ہے کہ خدا تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے"۔ یہاں سے اُسی اہلاک موعود کے بعض مبادی کی تفصیل شروع کی گئی ہے یعنی اُس سُنّۃ اللہ کے موافق جس کا بیان اِسی
پارہ کے شروع میں آیت وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَھْلَھَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ الخ کے تحت میں گذر چکا، خدا تعالیٰ نے فرعونیوں کو ابتدائی تنبیہ کے طور پر قحط، خشک سالی وغیرہ
معمولی تکالیف اور سختیوں میں مبتلا کیا۔ تاکہ وہ خواب غفلت سے چونکیں اور موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبرانہ نصیحتوں کو قبول کریں۔ مگر وہ ایسے کاہے کو تھے، انہوں نے ان تنبیہات کی کچھ پروا نہ کی۔
بلکہ پہلے سے زیادہ ڈھیٹ اور گستاخ ہو گئے چنانچہ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَکَانَ السَّیِّئَۃِ الْحَسَنَۃَ کے قاعدہ سے جب قحط وغیرہ دُور ہو کر ارزانی اور خوشحالی حاصل ہوتی تو کہنے لگتے کہ دیکھو ہماری خوش
طالعی اور اقبالمندی کے لائق تو یہ حالات ہیں پھر اگر درمیان میں کبھی کسی ناخوشگوار اور بُری حالت سے دو چار ہونا پڑ جاتا تو کہتے کہ یہ سب (معاذ اللہ) موسیٰ اور اُس کے رفقاء کی شومئ تقدیر اور

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ
اور ہم نے پکڑ لیا فرعون والوں کو قحطوں میں اور میووں کے نقصان میں

لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ
تاکہ وہ نصیحت مانیں پھر جب پہنچی اُن کو بھلائی کہنے لگے یہ ہے ہمارے لائق

وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا
اور اگر پہنچی بُرائی تو نحوست بتلاتے موسیٰ کی اور اُسکے ساتھ والوں کی، سُن لو اُن کی

طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا
شومی تو اللہ کے پاس ہے پر اکثر لوگ نہیں جانتے ف۱ اور کہنے لگے جو کچھ

تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾
تو لائیگا ہمارے پاس نشانی کہ ہم پر اُس کی وجہ سے جادو کرے، سو ہم ہرگز تجھ پر ایمان نہ لائیں گے ف۲

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ
پھر ہم نے بھیجا اُن پر طوفان ف۳ اور ٹڈی اور چچڑی ف۴ اور مینڈک

وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾
اور خون بہت سی نشانیاں جدی جدی پھر بھی تکبر کرتے رہے اور تھے وہ لوگ گنہگار ف۵

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ
اور جب پڑتا اُن پر کوئی عذاب تو کہتے اے موسیٰ دُعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے جیسا کہ اُس نے

عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ
بتلا رکھا ہے تجھ کو ف۶ اگر تو نے دُور کر دیا ہم سے یہ عذاب تو بیشک ہم ایمان لے آئینگے تجھ پر اور جانے دینگے

مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ
تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو پھر جب ہم نے اٹھا لیا اُن سے عذاب ایک مدت تک

هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى
کہ اُن کو اُس مدت تک پہنچنا تھا اُسی وقت عہد توڑ ڈالتے ف۷ پھر ہم نے بدلہ لیا اُن سے سو ڈبو دیا ہم نے اُن کو

نحوست ہے حق تعالیٰ نے اسی کا جواب دیا اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُھُمْ عِنْدَ اللّٰہِ
یعنی اپنی بدبختی اور نحوست کو مقبول بندوں کی طرف کیوں نسبت کرتے
ہو۔ تمہاری اس نحوست کا واقعی سبب تو خدا کے علم میں ہے۔ اور وہ تمہارا
ظلم و عدوان اور بغاوت و شرارت ہے۔ اسی سبب کی بناء پر خدا
کے یہاں سے کچھ حصہ نحوست کا وقتی سزا اور تنبیہ کے طور پر تم کو
پہنچ رہا ہے۔ باقی تمہارے ظلم و کفر کی اصلی شومی و نحوست یعنی پوری
پوری سزا تو وہ ابھی اللہ کے پاس محفوظ ہے جو دنیا میں یا آخرت
میں اپنے وقت پر تم کو پہنچ کر رہیگی۔ جس کی ابھی اکثر لوگوں کو خبر نہیں۔
ف۲ یہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات و نشانات دیکھ کر کہتے تھے کہ
خواہ کیسا ہی جادو آپ ہم پر چلائیں اور اپنے خیال کے موافق
کتنے ہی نشان دکھلائیں۔ ہم کسی طرح تمہاری بات ماننے والے نہیں
جب انہوں نے یہ آخری فیصلہ سنا دیا اور قبول حق کے سب
دروازے اپنے اُوپر بند کر لئے، تب خدا نے اُن پر چند قسم کی
عظیم الشان بلائیں یکے بعد دیگرے مسلط کر دیں۔ جن کی تفصیل
اگلی آیت میں آتی ہے۔
ف۳ یعنی بارش اور سیلاب کا طوفان یا طاعون کی وجہ سے
موت کا طوفان علی اختلاف الاقوال۔
ف۴ "قمل" سے مراد چچڑیاں ہیں، جیسا کہ مترجم رحمہ اللہ نے اختیار کیا۔
یا جوئیں یا گیہوں وغیرہ غلہ میں جو کیڑا لگ جاتا ہے جس سے غلہ خراب ہو جاتا
ہے یعنی بدن اور کپڑوں میں چچڑیاں اور جوئیں پڑ گئیں۔ غلہ میں گھن لگ گیا۔
ف۵ یعنی تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ یہ سب آیات دکھلائی گئیں مگر
وہ کچھ ایسے متکبر، جرائم پیشہ اور پُرانے گنہگار تھے کہ کسی طرح مان کر نہ دیا
سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مطالبہ
(بنی اسرائیل کی آزادی) کو تسلیم نہ کیا تو حق تعالیٰ نے بارش کا طوفان
بھیجا، جس سے کھیتیوں وغیرہ کی تباہی کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ آخر
گھبرا کر حضرت موسیٰ سے درخواست کی کہ تم اپنے خدا سے کہہ کر یہ بلائے
طوفان دُور کرا دو تو ہم بنی اسرائیل کو آزادی دے کر تمہارے ساتھ روانہ
کر دینگے موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے بارش بند ہو گئی اور بجائے
نقصان کے پیداوار بہت کثرت سے ہوئی۔ فرعونی عذاب سے
بے فکر ہو کر اپنے عہد پر قائم نہ رہے، تب اللہ تعالیٰ نے تیار کھیتیوں پر
ٹڈی دَل بھیج دیا جسے دیکھ کر پھر گھبرائے کہ یہ نئی آفت کہاں سے
آ گئی پھر موسیٰ علیہ السلام سے دُعا کی درخواست کی اور پختہ وعدے
کئے کہ اگر یہ عذاب ٹل گیا تو ہم ضرور بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں گے۔
جب یہ عذاب بھی اُٹھا لیا گیا تو پھر مطمئن ہو گئے اور سب وعدے
فراموش کر دیئے۔ آخر جس وقت غلہ اُٹھا کر مکانوں میں بھر لیا تو خدا
کے حکم سے غلہ میں گھن لگ گیا۔ پھر موسیٰ سے دعا کرائی اور بڑے پکے عہد و پیمان کئے لیکن جہاں وہ حالت ختم ہوئی بدستور سابق سرکشی اور بدعہدی کرنے لگے تو خدا نے انکا کھانا اور پینا بے لطف کر دیا
مینڈک اس قدر کثرت سے پیدا کر دیئے گئے کہ ہر کھانے اور برتن میں مینڈک نظر آتا تھا۔ جب بولنے یا کھانے کے لئے منہ کھولتے مینڈک جست کر کے منہ میں پہنچتا تھا اور ویسے بھی اس جانور کی کثرت
نے رہنا سہنا مشکل کر دیا۔ اِدھر پینے کے لئے جو پانی لینا چاہتے تھے وہ ہی خدا کے حکم سے برتنوں میں یا منہ میں پہنچ کر خون بن جاتا۔ غرض کھانے پینے تک سے عاجز ہو رہے تھے اس پر بھی سختی اور اکڑفوں
وہ ہی تھی۔ ــــــ ف۶ یعنی اُس نے دعا کا جو مؤثر طریقہ تجھ کو بتلا رکھا ہے، اسی طرح دعا کر دیجئے۔ یا بِمَا عَھِدَ عِنْدَکَ کا مطلب یہ ہے کہ "نبی اللہ" ہونے کی حیثیت سے دُعا فرما دیجئے۔ گویا "عہد" کا اطلاق
نبوت پر ہوا، کیونکہ خدا اور نبی کے درمیان ایک طرح کا معاہدہ ہوتا ہے کہ خدا نبی کو خلعت اکرام و اعانت سے سرفراز فرمائیگا اور نبی اس کی پیغام رسانی میں کوئی کوتاہی نہ کریگا۔ اور ممکن ہے بِمَا عَھِدَ
عِنْدَکَ سے وہ عہد مراد ہو جو بتوسط انبیاء علیہم السلام، اقوام سے کیا جاتا ہے کہ اگر تم کفر و تکذیب سے باز آ جاؤ گے تو عذاب الٰہی اُٹھا لیا جائیگا واللہ اعلم۔ ف۷ اس مدت سے یا تو موت اور غرق ہونے
تک کی مدت مراد ہے۔ یا ممکن ہے ایک بلا کے بعد دوسری بلا کے آنے تک کا وقت مراد ہو۔

ف۱ "رجز" سے بعض مفسرین کے نزدیک طاعون مراد ہے جیسا کہ بعض احادیث میں یہ لفظ طاعون پر اطلاق کیا گیا ہے لیکن اکثر مفسرین ان آیات کو پچھلی آیات ہی کا بیان قرار دیتے ہیں موضح القرآن میں ہے کہ "یہ سب بلائیں اُن پر آئیں ایک ایک ہفتہ کے فرق سے۔ اوّل حضرت موسیٰ فرعون کو کہہ آتے کہ اللہ تم پر یہ بلا بھیجے گا، وہ ہی بلا آتی۔ پھر مضطر ہوتے حضرت موسیٰ کی خوشامد کرتے، اُنکی دعا سے دفع ہوتی، پھر منکر ہو جاتے۔ آخر کو وبا پڑی۔ نصف شب کو سارے شہر میں ہر شخص کا پہلا بیٹا مر گیا، وہ لگے مُردوں کے غم میں، حضرت موسیٰ اپنی قوم کو لے کر شہر سے نکل گئے۔ پھر کئی روز کے بعد فرعون پیچھے لگا۔ دریائے قلزم پر جا پکڑا۔ وہاں یہ قوم سلامت گذر گئی اور فرعون ساری فوج سمیت غرق ہوا۔ ف۲ یعنی بنی اسرائیل کو۔ ف۳ اکثر مفسرین کے نزدیک اس زمین سے مراد ملک شام ہے جس میں حق تعالیٰ نے بہت سی ظاہری و باطنی برکات ودیعت کی ہیں۔ ظاہری تو یہی کہ نہایت سر سبز و شاداب، سیر حاصل خوش منظر اور زرخیز ملک ہے اور باطنی اس لئے کہ بہت سے انبیاء علیہم السلام کا مسکن و مدفن بنایا گیا ہے۔ بنی اسرائیل مصر سے نکل کر ایک عرصہ تک صحرائے تیہ میں سرگرداں پھرتے رہے۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا، بعدہٗ حضرت یوشع کے ساتھ ہو کر "عمالقہ" سے جہاد کیا، اور اپنے آبائی وطن ملک شام کے وارث بنے۔ بعض مفسرین نے اس زمین سے مصر مراد لیا ہے۔ یعنی فرعونیوں کو غرق کر کے ہم نے بنی اسرائیل کو مصر کی دولت کا وارث بنا دیا کہ آزادی کے ساتھ اس سے متمتع ہوں کما قال تعالیٰ کم ترکوا من جنٰتٍ وعیونٍ وزروعٍ ومقامٍ کریمٍ ونعمةٍ کانوا فیہا فاکہین کذٰلک واورثنٰہا قوماً اٰخرین (دخان رکوع ۱) ونرید ان نمنّ علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلہم ائمةً ونجعلہم الوارثین ونمکّن لہم فی الارض ونری فرعون وہامٰن وجنودہما منہم ما کانوا یحذرون (القصص رکوع ۱) اس تقدیر پر مصر کی ظاہری برکات تو ظاہر ہیں، باطنی اس حیثیت سے ہونگی کہ حضرت یوسف علیہ السلام وہیں مدفون ہوئے، حضرت یعقوب علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے اور آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچپن سے لے کر بڑی عمر تک طویل مدّت اسی مُلک میں گذاری۔ امام بغویؒ نے مفسرین کے دونوں قول جمع کر کے اس جگہ مصر و شام دونوں کا ارادہ کیا ہے۔ واللہ اعلم

ف۴ یعنی بنی اسرائیل نے جب فرعونیوں کے سخت تباہ کن شدائد پر صبر کیا، موسیٰ علیہ السلام کی ہدایت کے موافق خدا سے استعانت کی اور پیغمبرِ خدا کا ساتھ دیا تو خدا نے جو نیک وعدہ اُن سے کیا تھا (عسیٰ ربکم ان یہلک عدوکم اور نرید ان نمنّ علی الذین استضعفوا الخ) وہ پورا کر دکھایا۔ فرعون اور اُس کی قوم نے اپنے اپنے کبر و نخوت کے اظہار کے لئے جو ڈھونگ بنا رکھا تھا وہ سب تباہ و برباد ہو گیا۔ اور اُن کی اُونچی اُونچی عمارتیں تہ و بالا کر دی گئیں۔ سچ ہے "ان الملوک اذا دخلوا قریةً افسدوہا وجعلوا اعزة اہلہا اذلةً"۔

ف۵ بعض نے کہا کہ یہ قبیلۂ لخم کے لوگ تھے اور بعض نے کنعانی عمالقہ کو اس کا مصداق قرار دیا ہے کہتے ہیں کہ اُن کے بُت گائے کی شکل پر تھے۔ واللہ اعلم۔

ف۶ یعنی حق تعالیٰ کی عظمت شان اور تنزیہ و تقدیس سے تم بالکل جاہل معلوم ہوتے ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ مدت دراز تک مصری بت پرستوں کے زیر سایہ رہنے کی وجہ سے بنی اسرائیل کا میلان بار بار اس طرح کے افعال و رسوم شرکیہ کی طرف ہوتا تھا۔ یہ بیہودہ جاہلانہ درخواست بھی مصر کی آب و ہوا اور وہاں کے بُت پرستوں کی صحبت کے تاثرات کو ظاہر کرتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "جاہل آدمی نرے بے صورت معبود کی عبادت سے تسکین نہیں پاتا جب تک سامنے ایک صورت نہ ہو۔ وہ قوم دیکھی کہ گائے کی صورت پوجتی تھی ان کو بھی یہ ہوس آئی آخر سونے کا بچھڑا بنایا اور پوجا"۔ ف۷ یعنی ان کا بُت پرستی کا مذہب میرے اور اہل حق کے ہاتھوں سے آیندہ تباہ ہونیوالا ہے اور جو کچھ سوانگ یہ اب تک بناتے رہے ہیں وہ محض باطل، غلط، بیکار اور بے حقیقت ہے۔ ف۸ یعنی خدا کے انعامات عظیمہ کی شکر گذاری اور حق شناسی کیا یہی ہو سکتی ہے کہ غیر اللہ کی پرستش کر کے اللہ سے بغاوت کی جائے۔ پھر بڑی شرم کا مقام ہے کہ جس مخلوق کو خدا نے سارے جہان پر فضیلت دی وہ اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی مورتیوں کے سامنے سربسجود ہو جائے؟ کیا مفضول افضل کا معبود بن سکتا ہے؟ ف۹ اس کی تفسیر پارۂ الٓمٓ کے ربع کے بعد ملاحظہ کی جائے۔ یہ مضمون وہاں گذر چکا ہے۔ یعنی جس خدا نے ابھی ابھی تم پر ایسا عظیم الشان احسان فرمایا، کیا اُسے چھوڑ کر لکڑیوں اور پتھروں کے سامنے جھکتے ہو؟

الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴿١٣٦﴾ وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ
دریا میں اس وجہ سے کہ انہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور اُن سے تغافل کرتے تھے ف۱ اور وارث کر دیا ہم نے

الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا
اُن لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے ف۲ اُس زمین کے مشرق اور مغرب کا

الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ
کہ جس میں برکت رکھی ہے ہم نے ف۳ اور پورا ہو گیا نیکی کا وعدہ تیرے رب کا بنی اسرائیل پر

بِمَا صَبَرُوا ۖ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا
بسبب اُنکے صبر کرنیکے اور خراب کر دیا ہم نے جو کچھ بنایا تھا فرعون اور اُس کی قوم نے اور جو

كَانُوا يَعْرِشُونَ ﴿١٣٧﴾ وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَىٰ
اُونچا کر کے چھایا تھا ف۴ اور پار اُتار دیا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے تو پہنچے ایک

قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَىٰ أَصْنَامٍ لَهُمْ ۚ قَالُوا يَا مُوسَى اجْعَلْ لَنَا
قوم پر جو پوجنے میں لگ رہے تھے اپنے بتوں کے ف۵ کہنے لگے اے موسیٰ بنا دے ہماری عبادت کیلئے بھی ایک

إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ۚ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿١٣٨﴾ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ
بُت جیسے ان کے بُت ہیں کہا تم لوگ تو جہل کرتے ہو ف۶ یہ لوگ

مُتَبَّرٌ مَا هُمْ فِيهِ وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٩﴾ قَالَ أَغَيْرَ
تباہ ہونیوالی ہے وہ چیز جس میں وہ لگے ہوئے ہیں، اور غلط ہے جو وہ کر رہے ہیں ف۷ کہا کیا

اللَّهِ أَبْغِيكُمْ إِلَٰهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿١٤٠﴾ وَإِذْ أَنْجَيْنَاكُمْ
اللہ کے سوا ڈھونڈوں تمہارے واسطے کوئی اور معبود حالانکہ اس نے تمکو بڑائی دی تمام جہان پر ف۸ اور وہ وقت یاد کرو جب

مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ۖ يُقَتِّلُونَ أَبْنَاءَكُمْ
نجات دی ہم نے تم کو فرعون والوں سے کہ دیتے تھے تم کو بُرا عذاب کہ مار ڈالتے تھے تمہارے بیٹوں کو

ع
وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿١٤١﴾
اور جیتا رکھتے تھے تمہاری عورتوں کو اور اس میں احسان ہے تمہارے رب کا بڑا ف۹

ف۱ جب بنی اسرائیل کو طرح طرح کی پریشانیوں سے اطمینان نصیب ہوا تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ اب ہمارے لئے کوئی آسمانی شریعت لائیے جس پر ہم جمعی کے ساتھ عمل کر کے دکھلائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اُن کا معروضہ بارگاہِ الٰہی میں پیش کر دیا۔ خدا تعالیٰ نے اُن سے کم از کم تیس دن اور زائد از زائد چالیس دن کا وعدہ فرمایا کہ جب اتنی مدت تم پے بہ پے روزے رکھو گے اور کوہ طور پر معتکف رہو گے تو تم کو تورات شریف عنایت کی جائے گی، دو مدتیں (کم اور زیادہ) ٹھہرانے کا شاید یہ مطلب تھا کہ اگر اثنائے ریاضت میں وظائف عبودیت اور آداب تقرب ادا کرنے کے اعتبار سے کسی قسم کی کوتاہی اور تقصیر ظاہر نہ کی تو اقل مدت تیس دن کافی ہوں گے ورنہ اکثر الاجلین چالیس روز پورے کرنے پڑینگے۔ یا شروع سے تیس دن ضروری ولازمی میعاد کے طور پر ہوں اور چالیس دن پورے کرنا اختیاری واستحبابی حیثیت سے اصل میعاد کی تکمیل وتتمیم کے طور پر رکھے گئے ہوں۔ جیسے شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی بیٹی دیتے وقت فرمایا تھا عَلٰۤی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ (القصص رکوع ۳) اور ہمارے زمانہ کے بعض مصنفین نے یہ کہا ہے کہ اصلی میعاد چالیس ہی دن کی تھی جیساکہ سورۂ بقر میں مذکور ہوا اور یہاں بھی فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ اُس چالیس دن کے بیان کا ایک پیرایہ ہے کہ ہم نے تیس دن کا وعدہ کیا تھا جن کا تتمہ دس دن اور تھے۔ تاکہ اشارہ ہو جائے کہ ایک مہینہ سالم (ذیقعدہ) پورا کر کے دوسرے مہینہ (ذی الحجہ) میں سے دس دن اور بڑھائے گئے۔ اس طرح یکم ذی القعدہ سے شروع ہو کر ۱۰ ذی الحجہ کو چلّہ پورا ہوا جیساکہ اکثر سلف سے منقول ہے۔ واللہ اعلم۔ موضح القرآن میں ہے کہ "حق تعالیٰ نے وعدہ دیا حضرت موسیٰ کو کہ پہاڑ پر تیس رات خلوت کرو کہ تمہاری قوم کو تورات" دوں۔ اس مدت میں انہوں نے ایک دن مسواک کی۔ فرشتوں کو ان کے منہ کی بُو سے خوشی تھی وہ جاتی رہی اس کے بدلے دس رات اور بڑھا کر مدت پوری کی"۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ

اور وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا اور پورا کیا اُن کو اور دس سے پس پوری ہو گئی مدت تیرے رب کی

اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ

چالیس راتیں ف۱ اور کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہ میرا خلیفہ رہ میری

قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی

قوم میں اور اصلاح کرتے رہنا اور مت چلنا مفسدوں کی راہ ف۲ اور جب پہنچا موسیٰ

لِمِیْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ قَالَ لَنْ

ہمارے وعدہ پر اور کلام کیا اُس سے اُسکے رب نے بولا اے میرے رب تو مجھ کو دکھا کہ میں تجھ کو دیکھوں ف۳ فرمایا تو مجھ کو ہرگز

تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ

نہ دیکھیگا ف۴ لیکن تو دیکھتا رہ پہاڑ کی طرف اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو تو مجھ کو

تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ۚ

دیکھ لیگا ف۵ پھر جب تجلی کی اُس کے رب نے پہاڑ کی طرف کر دیا اُس کو ڈھا کر برابر اور گر پڑا موسیٰ بیہوش ہو کر ف۶

فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۴۳﴾

پھر جب ہوش میں آیا بولا تیری ذات پاک ہے میں نے توبہ کی تیری طرف، اور میں سب سے پہلے یقین لایا ف۷

قَالَ یٰمُوْسٰۤی اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِكَلَامِیْ ۖ

فرمایا اے موسیٰ میں نے تجھ کو امتیاز دیا لوگوں سے اپنے پیغام بھیجنے کا اور اپنے کلام کرنے کا

فَخُذْ مَاۤ اٰتَیْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ

سو لے جو میں نے تجھ کو دیا اور شاکر رہ ف۸ اور لکھ دی ہم نے اُس کو تختیوں پر

مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ

ہر قسم کی نصیحت اور تفصیل ہر چیز کی ف۹ سو پکڑ لے اُن کو زور سے

وَّاْمُرْ قَوْمَكَ یَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِیْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۱۴۵﴾

اور حکم کر اپنی قوم کو کہ پکڑے رہیں اُس کی بہتر باتیں عنقریب میں تم کو دکھلاؤنگا گھر نافرمانوں کا ف۱۰

ف۲ یعنی میری غیبت میں میرے حصّہ کا کام بھی تم ہی کرو۔ گویا حکومت وریاست کے جو اختیارات موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مخصوص تھے، وہ ہارون علیہ السلام کو تفویض کر دیئے گئے اور چونکہ بنی اسرائیل کی تلوّن مزاجی اور سست اعتقادی کا پورا تجربہ رکھتے تھے، اس لئے بڑی تصریح وتاکید سے ہارون علیہ السلام کو متنبہ کر دیا کہ اگر میرے پیچھے یہ لوگ کچھ گڑبڑ مچائیں تو تم اصلاح کرنا اور میرے طریق کار پر کاربند رہنا مفسدہ پردازوں کی راہ پر مت چلنا۔ خدا کی مشیت کہ موسیٰ علیہ السلام یہ وصیت کر کے اُدھر گئے۔ ادھر بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی شروع کر دی مگر حضرت ہارون نے موجودہ بائبل نویسوں کے علی الرغم یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْۤا اَمْرِیْ کہہ کر ان کی گمراہی اور اپنی بیزاری کا صاف صاف اعلان کر دیا، اور وصیت موسوی کے موافق اصلاح حال کی امکانی کوشش کی۔

ف۳ چالیس دن کی میعاد پوری ہو چکنے پر حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کسی مخصوص وممتاز رنگ میں شرف مکالمت بخشا۔ اس وقت حضرت موسیٰ کو بلاواسطہ کلام الٰہی سننے کی لذت بے پایاں حاصل ہوئی تو کمال اشتیاق سے متکلم کے دیدار کی آرزو کرنے لگے اور بے ساختہ درخواست کر دی۔ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ اے پروردگار! میرے اور اپنے درمیان سے حجاب اور موانع اٹھا دیجئے اور روئے انور بے حجاب سامنے کر دیجئے کہ ایک نظر دیکھ سکوں۔

ف۴ یعنی دنیا میں کسی مخلوق کا یہ فانی وجود اور فانی قویٰ اس ذوالجلال والاکرام لم یزل ولایزال کے دیدار کا تحمل نہیں کر سکتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ دنیا میں کسی کو موت سے پہلے دیدار خداوندی کا شرف حاصل ہونا شرعاً ممتنع ہے۔ گو عقلاً ممکن ہو۔ کیونکہ اگر امکان عقلی بھی نہ مانا جائے، تو موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کی نسبت یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایک محال عقلی کی درخواست کرتے۔ اہل السنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ رویت باری دنیا میں عقلاً ممکن، شرعاً ممتنع الوقوع ہے اور آخرت میں اس کا وقوع نصوص قطعیہ سے ثابت ہے، رہی رسول اللہ صلعم کی رویت شب معراج میں، وہ اختلافی مسئلہ ہے جس کا ذکر انشاءاللہ سورۂ "نجم" میں آئے گا۔

ف۵ یعنی تم پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو، ہم اپنے جمال مبارک کی ایک ذرا سی جھلک اُس پر ڈالتے ہیں۔ اگر پہاڑ جیسی سخت اور مضبوط چیز اُس کو برداشت کر سکی تو ممکن ہے تم کو بھی اُس کا تحمل کرا دیا جائے۔ ورنہ سمجھ لیجئے کہ جس چیز کا تحمل پہاڑ سے نہ ہو سکے کسی انسان کی مادی ترکیب اور جسمانی آنکھیں اُسے کیسے برداشت کر سکتی ہیں اگرچہ قلبی اور روحانی طاقت کے اعتبار سے زمین، آسمان، پہاڑ، سب چیزوں سے انسان فائق ہو۔ اور اسی لئے موسیٰ علیہ السلام جس وحی الٰہی کے حامل تھے، بلکہ دوسرے انسان بھی جس امانت عظیمہ کے حامل ہیں، پہاڑ وغیرہ اُس کے اُٹھانے پر قادر نہیں۔ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ (احزاب رکوع ۹) لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ (الحشر۔ رکوع ۳) تاہم جس چیز کا تعلق ظاہری آنکھوں یا بدن کی مادی قوت سے ہو، اُس میں انسان دوسری عظیم الخلقت چیزوں سے بہت کمزور واقع ہوا ہے لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (المومن رکوع ۶) وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا (نساء۔ رکوع ۵) اس جگہ موسیٰ علیہ السلام کو انسانی وجود کی اسی کمزوری کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

ف۶ حق تعالیٰ کی تجلیات بہت طرح کی ہیں اور یہ خدا کا ارادی فعل ہے کہ جس چیز پر جس طرح چاہے تجلی فرمائے۔ پہاڑ پر جو تجلی ہوئی اُس نے معاً پہاڑ کے خاص حصّہ کو ریزہ ریزہ کر ڈالا، اور موسیٰ علیہ السلام چونکہ محل تجلی سے قریب تھے، اُن پر اس قرب محل اور پہاڑ کے ہیبتناک منظر دیکھنے کا یہ اثر

(باقی صفحہ ۲۲۳)

بقیہ فوائد صفحہ ۲۲۲- ہوا کہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ بلاتشبیہ یوں سمجھ لیجئے کہ بجلی جس چیز پر گرتی ہے اُسے جلا کر ایک آن میں کس طرح خاک سیاہ کر دیتی ہے اور جو لوگ اُس مقام کے قریب ہوتے ہیں بسا اوقات انہیں بھی کم و بیش صدمہ پہنچ جاتا ہے۔ **ف** یعنی پاک ہے اس سے کہ کسی مخلوق کے مشابہ ہو اور یہ فانی آنکھیں اسکے دیدار کا تحمل کر سکیں۔ تیری پاکی اور برتری کا اقتضاء یہ ہے کہ کسی چیز کی طلب تیری اجازت کے بدون نہ کی جائے، مَیں توبہ کرتا ہوں کہ فرطِ اشتیاق میں بدون اجازت کے ایک نازیبا درخواست کر گذرا۔ مَیں اپنے زمانہ کے سب لوگوں سے پہلے تیری عظمت و جلال کا یقین رکھتا ہوں اور پہلا وہ شخص ہوں جسے ذوقی و عیانی طریق پر منکشف ہوا کہ خداوند قدوس کی رویت دنیا میں ان ظاہری آنکھوں سے واقع نہیں ہو سکتی۔ **ف۸** یعنی دیدار نہ ہو سکا نہ سہی، یہ شرف و امتیاز کیا تھوڑا ہے کہ ہم نے تجھ کو پیغمبر بنایا اور تورات عطا کی اور بلا واسطہ کلام فرمایا۔ سو جس قدر بخشش ہماری طرف سے ہوئی، اُسے پلے باندھو اور اُن بندوں میں شامل رہو، جنہیں خدا نے "شاکرین" کے امتیازی لقب سے ملقب فرمایا ہے۔ **ف۹** بعض کہتے ہیں کہ تورات شریف ان تختیوں پر لکھی ہوئی تھی۔ اور بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ تختیاں تورات کے علاوہ تھیں جو نزول تورات سے پہلے مرحمت ہوئیں۔ بہر حال دیدار نہ ہو سکنے سے جو شکستگی موسیٰ علیہ السلام کو ہوئی اُس کی تلافی اور جبر مافات کے طور پر الواح عطا کی گئیں۔ جن میں ہر قسم کی نصیحتیں اور تمام ضروری احکام کی تفصیل تھی (ابن کثیر)

ف۱۰ یعنی خود بھی ان الواح کو مضبوطی اور احتیاط سے پکڑے رہو کہیں ہاتھ سے چھوٹ نہ جائیں اور اپنی قوم کو سمجھاؤ کہ وہ ان الواح کی بہترین ہدایات پر پختگی سے عمل کرتے رہیں اور ایسی اچھی چیز کو ہاتھ سے نہ دیں۔ (تنبیہ) لفظ "اَحْسَنِهَا" سے یا تو اس پر متنبہ فرمانا ہے کہ اُن میں "احسن" کے سوا اور کچھ نہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ جو احکام دیئے گئے تھے یوں تو سب فی حَدِّ ذاتہٖ "حسن" ہیں مگر بعض بعض سے احسن ہوتے ہیں مثلاً ظالم سے بدلہ لینا جائز اور حسن ہے لیکن صبر کرنا اور معاف کر دینا عزیمت اور احسن ہے۔ گویا بنی اسرائیل کو اس پر آمادہ کرنا تھا کہ عزائم و مندوبات کے اکتساب میں سعی کریں اور خدا کے کامل فرمانبردار بنیں۔ اگر نافرمانی کرینگے، تو انہیں نافرمانوں کا گھر دکھلا دیا جائیگا یعنی آخرت میں دوزخ اور دنیا میں تباہی و رسوائی۔ اعاذنا اللہ منہما (ابن کثیر و بغوی) اور بعض نے نافرمانوں کے گھر سے شام یا مصر مراد لیا ہے۔ جو نافرمان عمالقہ یا فرعونیوں کا ملک تھا۔ اس صورت میں یہ آیت بنی اسرائیل کے لئے بشارت ہوگی کہ اگر پوری طرح فرمانبرداری کروگے تو نافرمانوں کے ملک تم کو دے دیئے جائینگے۔ والراجح ہو الاول کما رجحہ ابن کثیر۔

فوائد صفحہ ہذا۔ ف۱ جو لوگ خدا اور پیغمبروں کے مقابلہ میں ناحق کا تکبر کرتے ہیں اور نخوت و غرور اجازت نہیں دیتا کہ احکام الٰہی کو قبول کریں، ہم بھی اُن کے دل اپنی آیات کی طرف سے پھیر دینگے کہ آئندہ اُن سے منتفع ہونے کی توفیق نہ ہوگی۔ ایسے لوگوں کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ خواہ کتنے ہی نشان دیکھیں اور کتنی ہی آیتیں سنیں ٹس سے مس نہ ہوں، ہدایت کی سڑک کیسی ہی صاف اور کشادہ ہو، اُس پر نہ چلیں ہاں گمراہی کے راستہ پر نفسانی خواہشات کی پیروی میں دوڑے چلے جائیں۔ تکذیب کی عادت اور غفلت کی تمادی سے جب دل مسخ ہو جاتا ہے، اُس وقت آدمی اس حالت کو پہنچتا ہے۔

ف۲ یعنی احکام الٰہیہ پر چلنے کی توفیق نہ ہوگی۔ اور جو کچھ کام اپنی عقل سے کرینگے وہ خدا کے یہاں قبول نہ ہوگا۔ جیسا کرینگے ویسا بھگتیں گے۔ باقی اُن کی بیجان اور مردہ نیکیوں کا جو بدلہ ملنا ہوگا دنیا میں مل رہے گا۔

ف۳ یہ زیور جسے گلا کر اور ڈھال کر بچھڑا بنایا اصل میں فرعون کی قوم قبطیوں کا تھا۔ اُن کے پاس سے بنی اسرائیل کے قبضے میں آیا جیسا کہ سورۂ "طٰہٰ" میں ہے حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ۔

ف۴ سورۂ "طٰہٰ" میں اس بچھڑے کا مفصل قصہ آئیگا، یہاں انکی حماقت و سفاہت پر متنبہ فرمایا ہے کہ ایک خود ساختہ ڈھانچہ میں سے گائے کی آواز سُن لینے پر مفتون ہوگئے اور بچھڑے کو خدا سمجھ بیٹھے۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَ

مَیں پھیر دونگا اپنی آیتوں سے اُن کو جو تکبر کرتے ہیں زمین میں ناحق اور

اِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ

اگر دیکھ لیں ساری نشانیاں ایمان نہ لائیں اُن پر اور اگر دیکھیں رستہ ہدایت کا تو نہ ٹھہرائیں اسکو

سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

راہ اور اگر دیکھیں رستہ گمراہی کا تو اُس کو ٹھہرالیں راہ یہ اس لئے کہ انہوں نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

جھوٹ جانا ہماری آیتوں کو اور رہے اُن سے بے خبر ف۱ اور جنہوں نے جھوٹ جانا ہماری آیتوں کو

وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا

اور آخرت کی ملاقات کو برباد ہوئیں اُن کی محنتیں وہی بدلہ پائیں گے جو کچھ

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا

عمل کرتے تھے ف۲ اور بنا لیا موسیٰ کی قوم نے اُس کے پیچھے اپنے زیور سے بچھڑا ف۳

جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ

ایک بدن کہ اُس میں گائے کی آواز تھی، کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ اُن سے بات بھی نہیں کرتا، اور نہیں بتلاتا رستہ

اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا

معبود بنا لیا اُس کو اور وہ تھے ظالم ف۴ اور جب پچھتائے اور سمجھے

اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ

کہ ہم بیشک گمراہ ہوگئے تو کہنے لگے اگر نہ رحم کرے ہم پر ہمارا رب اور نہ بخشے ہم کو تو بیشک ہم

مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ

تباہ ہوں گے ف۵ اور جب لوٹ آیا موسیٰ اپنی قوم میں غصہ میں بھرا ہوا افسوسناک ف۶

قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَ

بولا کیا بُری نیابت کی تم نے میری میرے بعد ف۷ کیوں جلدی کی تم نے اپنے رب کے حکم سے ف۸ اور

وقف لازم

حالانکہ اُس کی بے معنی آواز میں نہ کوئی کلام و خطاب تھا نہ دینی یا دنیوی رہنمائی اس سے ہوتی تھی۔ اس طرح کی صوتِ محض تو کسی چیز کو انسانیت کے درجہ تک بھی نہیں پہنچا سکتی، چہ جائیکہ خالق جل و علا کے مرتبہ پر پہنچا دے۔ یہ کتنا بڑا ظلم اور بے موقع کام ہے کہ ایک معمولی جانور کی صورت کو خدا کہہ دیا جائے۔ بات یہ ہے کہ اس قوم کو پہلے ہی سے ایسی بے موقع باتیں کرنے کی عادت تھی چنانچہ پیشتر اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ کی درخواست موسیٰ علیہ السلام سے کر چکے تھے۔ **ف۵** اپنی بد عقلی اور کجروی سے انہوں نے ایسا بے ڈھنگا اور بھونڈا کام کیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی تنبیہ کے بعد جب باطل کا جوش ٹھنڈا ہوا اور عقل و ہوش کچھ ٹھکانے ہوئے تو خود بھی اپنی حرکت پر بہت شرمائے۔ گویا مارے ندامت کے ہاتھ کاٹنے لگے اور خوف و ہراس کی وجہ سے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ گھبرا کر کہنے لگے اب کیسے بنے گی؟ اگر خدا نے ہم پر رحم فرما کر توبہ اور مغفرت کی کوئی صورت نہ نکالی تو یقیناً ہم ابدی خسران اور دائمی ہلاکت میں جا پڑینگے۔ **ف۶** کیونکہ حق تعالیٰ نے طور ہی پر اطلاع دیدی تھی کہ سامری نے تیری قوم کو گمراہ کر دیا ہے۔ یہ سُن کر موسیٰ علیہ السلام سخت متاسف اور غضبناک تھے۔ **ف۷** یہ خطاب عُبّادِ عجل (گوسالہ پرستوں) کو تھا یعنی میرے پیچھے تم نے خوب میری قائم مقامی کی جس بات پر مَیں سب سے زیادہ زور دیتا تھا (خدا کی توحید و تفرید) اُس کی جگہ تم نے بچھڑے کی پُوجا یہ کہہ کر کھڑی کر دی کہ هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى (فی الحقیقت یہی تمہارا اور موسیٰ کا معبود ہے) اور ممکن ہے خطاب ہارون علیہ السلام کو بھی ہو کہ تم نے میری نیابت کا حق جو اُخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ کہہ کر سُپرد کر گئے تھے، اچھی طرح ادا نہ کیا کہ اُن کو روکتے اور مضبوطی سے اس فتنہ کا مقابلہ کرتے۔ جیسا کہ سورۂ "طٰہٰ" میں مفصل

(بقیہ صفحہ ۲۲۴ پر)

بقیہ فوائد صفحہ ۲۲۳- آئے گا۔ ف۸ یعنی میں پروردگار سے تمہارے لئے احکام ہی لینے تو گیا تھا اور چالیس روز کی میعاد بھی خدا نے مقرر کر دی تھی تم نے خدا کی مقرر کی ہوئی مدت پوری ہونے اور اُس کے احکام لے آنے کا بھی انتظار نہ کیا۔ کچھ بہت زمانہ تو نہیں گذر گیا تھا جو تم نے گھبرا کر اس قدر جلد خدا کے قہر و غضب کو اپنی طرف آنے کی دعوت دی۔ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ (طٰہٰ رکوع ۴)۔

فوائد صفحہ ہذا۔ ف۱ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مشرکانہ ڈھونگ کو دیکھ کر اور ہارون علیہ السلام کی نرمی و تساہل کا گمان کر کے اس قدر افروختہ اور دینی حمیّت و غیرت کے جوش سے اس قدر بے قابو ہو رہے تھے کہ ہارون علیہ السلام کی طرف لپکے اور حرارتِ ایمانی کے بے اندازہ جوش میں اُن کی ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ لئے۔ معاذ اللہ ہارون کی اہانت کی نیت سے نہیں کیونکہ ہارون خود مستقل نبی اور عمر میں موسیٰ علیہ السلام سے تین سال بڑے تھے۔ پھر ایک اولوالعزم پیغمبر سے یہ کیسے ممکن تھا کہ دوسرے نبی کی جو اُس کا بڑا بھائی بھی ہو ذرّہ برابر توہین کا ارادہ کرے نہیں موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے یہ معاملہ اس وقت ہوا جبکہ وہ قوم کی سخت بدعنوانی کی بنا پر بغض فی اللہ اور غصّہ سے بے اختیار ہو رہے تھے حضرت ہارون کی نسبت یہ خیال گذر رہا تھا کہ شاید انہوں نے اصلاح حال کی پوری کوشش نہیں کی۔ حالانکہ اُن کو اصلاح کی بھی تاکید کر گئے تھے۔ بیشک ہارون نبی اور عمر میں بڑے تھے، مگر رتبہ میں موسیٰ علیہ السلام اُن سے بڑے تھے اور سیاسی و انتظامی حیثیت سے ہارون کو اُن کا وزیر اور تابع بنایا گیا تھا۔ اس موقع پر موسیٰ علیہ السلام کی شان سیادت و حکومت کا ظہور ہوا۔ گویا اُن کی طرف سے یہ دار و گیر اور سخت باز پُرس حضرت ہارون کی تقصیرِ مظنون پر ایک قسم کی فعلی ملامت تھی جس سے قوم کو بھی پوری طرح متنبہ کر دیا گیا کہ پیغمبر کا قلب نشۂ توحید سے کس قدر سرشار اور دسیسۂ شرک و کفر سے کس قدر نفور و بیزار ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں ادنیٰ ترین تساہل یا خاموشی کو بھی برداشت نہیں کر سکتے حتیٰ کہ ایک نبی کی نسبت اگر ایسا وہم ہو جائے کہ اُس نے شرک کے مقابلہ پر آواز بلند کرنے میں ذرا سی کوتاہی کی ہے تو اُس کی بزرگی اور وجاہت عند اللہ بھی ایسی سخت باز پُرس سے اُن کو نہیں روک سکتی۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام اُس حالت میں شرعاً معذور تھے۔ اسی فرطِ غضب اور ہنگامۂ دار و گیر میں الواح (وہ تختیاں جو خدا کی طرف سے مرحمت ہوئی تھیں) اُن کے ہاتھ سے چھوٹ گئیں جسے عدم تحفظ کی وجہ سے تغلیظاً "القار" سے تعبیر فرمایا، کیونکہ بظاہر خُذْهَا بِقُوَّةٍ کا امتثال نہ کر سکے یا جیسا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے ہارون کی طرف بڑھتے وقت ہاتھ خالی کرنے کے لئے بہت تیزی اور عجلت کے ساتھ تختیاں ایک طرف رکھدیں مگر چونکہ ان دونوں معاملات کی سطح جو ہارون یا الواح کے متعلق ظہور میں آئے صورۃً پسندیدہ نہ تھی، گو موسیٰ علیہ السلام نیۃً معذور تھے۔ اس لئے آئندہ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ الخ کہہ کر حق تعالیٰ سے عفو کی درخواست کی، واللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اعلم۔

ف۲ گو ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ کے عینی بھائی ہیں مگر ماں کی طرف نسبت کرنے سے اُن کو نرمی اور شفقت پر آمادہ کرنا تھا۔ اس آیت میں ہارون کی معذرت کا بیان ہے۔ حاصل یہ ہے کہ میں اپنے مقدور کے موافق ان کو سمجھا چکا لیکن انہوں نے میری کچھ حقیقت نہ سمجھی۔ اُلٹے مجھے قتل کرنے پر آمادہ ہونے لگے۔ اب آپ ایسا معاملہ کر کے ان کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیجئے اور عتاب و غصّہ کا اظہار کرتے وقت مجھ کو ظالموں کے ذیل میں شامل نہ کیجئے۔

اَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ

ڈال دیں وہ تختیاں اور پکڑا سر اپنے بھائی کا لگا کھینچنے اُسکو اپنی طرف ف۱ وہ بولا کہ اے میری ماں کے جنے

اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۟ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ

لوگوں نے مجھ کو کمزور سمجھا اور قریب تھے کہ مجھ کو مار ڈالیں سو مت ہنسا مجھ پر

الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۵۰ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ

دشمنوں کو اور نہ ملا مجھ کو گنہگار لوگوں میں ف۲ بولا اے میرے رب معاف کر مجھ کو

وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۟ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝۱۵۱ اِنَّ

ع ۸

اور میرے بھائی کو اور داخل کر ہم کو اپنی رحمت میں اور تو سب سے زیادہ رحم کرنیوالا ہے ف۳ البتہ

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ

جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا اُن کو پہنچیگا غضب اُن کے رب کا اور ذلت

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ۝۱۵۲ وَالَّذِيْنَ

دنیا کی زندگی میں اور یہی سزا دیتے ہیں ہم بہتان باندھنے والوں کو ف۴ اور جنہوں نے کئے

عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ۫ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ

بُرے کام پھر توبہ کی اُس کے بعد اور ایمان لائے تو بیشک تیرا رب توبہ

بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۵۳ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ

کے پیچھے البتہ بخشنے والا مہربان ہے ف۵ اور جب تھم گیا موسیٰ کا غصّہ تو

اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚۖ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ

اُس نے اُٹھا لیا تختیوں کو اور جو اُن میں لکھا ہوا تھا اُسمیں ہدایت اور رحمت تھی اُن کے واسطے جو اپنے رب سے

يَرْهَبُوْنَ ۝۱۵۴ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ

ڈرتے ہیں اور چُن لئے موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر مرد ہمارے وعدہ کے وقت پر لانیکو

فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ

پھر جب اُن کو زلزلہ نے پکڑا تو بولا اے رب میرے اگر تو چاہتا تو پہلے ہی ہلاک کر دیتا اُن کو

ف۳ یعنی شدت غضب میں جو بے اعتدالی یا اجتہادی غلطی مجھ سے ہوئی خواہ میں اُس میں کتنا ہی نیک نیت ہوں، آپ معاف فرما دیجئے اور میرے بھائی ہارون سے اگر اُن کے درجہ اور شان کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی طرح کی کوتاہی قوم کی اصلاح میں ہوئی، اس سے بھی درگذر فرمائیے۔ ف۴ یہ غضب وہ ہی ہے جس کا ذکر سورۂ بقرہ میں رُبع پارہ الم کے بعد گذر چکا یعنی "گوسالہ پرستوں کو وہ لوگ قتل کریں جنہوں نے یہ حرکت نہیں کی اور دوسروں کو روکنے میں حصّہ بھی نہ لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرتد کی سزا دنیا میں قتل ہے۔ ف۵ یعنی بُرا کام حتیٰ کہ شرک و کفر کر کے پھر توبہ کر لے اور ایمان لے آئے تو غفور رحیم" کے یہاں رحمت اور معافی کی کچھ کمی نہیں یہ معافی وغیرہ آخرت سے متعلق ہے۔ گویا اشارہ فرما دیا کہ گوسالہ پرستوں کو جو سزائے قتل دی گئی وہ اُنکے حق میں شرطِ قبول توبہ سمجھی گئی تھی فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (بقرہ)، اب اُن پر اخروی مؤاخذہ باقی نہیں رہا۔ دنیوی سزا کے بعد اُخروی حالت کا بیان اس جگہ ایسا ہی ہے جیسے دوسری جگہ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا الخ کے بعد فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ فرما دیا گیا۔

ف ۱ راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ میقات اُس میقات کے علاوہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام کو "تورات" عطا فرمانے کے لئے مقرر ہوا تھا۔ نیز آیات حاضرہ کی ترتیب سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ گوسالہ پرستی اور سزا یابی کے بعد پیش آیا۔ لیکن سورۂ نسآء کی آیت فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ الخ زیادہ صفائی سے بتلاتی ہے کہ گوسالہ پرستی اس واقعہ کے بعد ہوئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اس واقعہ کا خلاصہ سورۂ بقرہ میں بربع پارہ "الٓمّٓ" کے بعد گذر چکا ہے۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ تمہاری باتیں اُس وقت تسلیم کر سکتے ہیں۔ جب خدا تعالیٰ سے خود سُن لیں حضرت موسیٰ اُن میں سے ستر آدمیوں کو جو سردار تھے منتخب کر کے طُور پر لے گئے۔ آخر انہوں نے حق تعالیٰ کا کلام سُن لیا کہنے لگے کہ جب تک ہم خدا کو اپنی آنکھوں سے بے حجاب دیکھ نہ لیں، ہم کو یقین نہیں آسکتا۔ اس گستاخی پر نیچے سے سخت بھونچال آیا اور اُوپر سے بجلی کی کڑک ہوئی، آخر کانپ کر مر گئے، یا مُردوں کی سی حالت کو پہنچ گئے موسیٰ نے اپنے آپ کو اُن کے ساتھ منضم کر کے نہایت مؤثر انداز میں دعا کی جس کا حاصل یہ تھا کہ خداوندا! اگر تو ہلاک کرنا ہی چاہتا تو ان سب کو بلکہ اُن کے ساتھ مجھ کو بھی کہ مَیں ہی انہیں لیکر آیا یہاں بُلانے اور کلام سُنانے سے پہلے ہی ہلاک کر دیتا۔ کس کی مجال تھی کہ آپ کی مشیت کو روک سکتا؟ جب آپنے ایسا نہیں چاہا، بلکہ مجھے لانے کی اور ان کو کلام الٰہی سننے کے لئے یہاں آنے کی اجازت دی، تو یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ اپنے یہاں بُلا کر محض بعض بیوقوفوں کی حماقت کی سزا میں ہم سب کو ہلاک کر دینا چاہیں لقیناً یہ (رجفہ وصاعقہ کا منظر) سب آپ کی طرف سے ہماری آزمائش و امتحان ہے اور ایسے سخت امتحانات میں ثابت قدم رکھنا یا نہ رکھنا بھی آپ ہی کے قبضہ میں ہے۔ اس قسم کے خطرناک اور مزلت الاقدام مواقع میں آپ ہی ہمارے تھامنے اور دستگیری کرنیوالے ہیں اور صرف آپ ہی کی ذات منبع الخیرات سے یہ اُمید ہو سکتی ہے کہ ہم سب کی گذشتہ تقصیرات اور بے اعتدالیوں سے درگذر فرمائیں اور آیندہ اپنی رحمت سے ایسی خطاؤں اور غلطیوں کا شکار نہ ہونے دیں۔ حضرت موسیٰ کی اس دعا پر وہ لوگ بخشے گئے اور خدا نے اُن کو از سرِنو زندگی مرحمت فرمائی۔ کما قال ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔

وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاۗءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ

اور مجھ کو کیا ہم کو ہلاک کرتا ہے اس کام پر جو کیا ہماری قوم کے احمقوں نے، یہ سب تیری آزمائش ہے

تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاۗءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا

بچلادے اس میں جس کو تو چاہے اور سیدھا رکھے جس کو چاہے تو ہی ہے ہمارا تھامنے والا سو بخش دے ہمکو

وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ۱۵۵ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا

اور رحمت کر ہم پر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے ف۱ اور لکھدے ہمارے لئے اس دنیا میں

حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ

بھلائی اور آخرت میں ہمنے رجوع کیا تیری طرف فرمایا میرا عذاب ڈالتا ہوں میں اُس کو

مَنْ اَشَاۗءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ

جس پر چاہوں اور میری رحمت شامل ہے ہر چیز کو سو اُسکو لکھ دونگا اُنکے لئے جو ڈر رکھتے ہیں

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۱۵۶ۚ اَلَّذِيْنَ

اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور جو ہماری باتوں پر یقین رکھتے ہیں ف۲ وہ لوگ جو

يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا

پیروی کرتے ہیں اُس رسُول کی جو نبی اُمّی ہے ف۳ کہ جس کو پاتے ہیں لکھا ہوا

عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ

اپنے پاس توریت اور انجیل میں ف۴ وہ حکم کرتا ہے اُن کو نیک کام کا اور

يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَـبٰۗىِٕثَ

منع کرتا ہے بُرے کام سے اور حلال کرتا ہے اُن کے لئے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے اُن پر ناپاک چیزیں

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ

اور اُتارتا ہے اُن پر سے اُن کے بوجھ اور وہ قیدیں جو اُن پر تھیں ف۵ سو جو لوگ

اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ

اُس پر ایمان لائے اور اُس کی رفاقت کی اور اُس کی مدد کی، اور تابع ہوئے اُس نور کے جو اُس کے ساتھ اُترا ہے ف۶

ف۲ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "شاید حضرت موسیٰ نے اپنی اُمت کے حق میں دنیا اور آخرت کی بھلائی جو مانگی، مراد یہ تھی کہ سب اُمتوں پر مقدم اور فائق رہیں دنیا اور آخرت میں، جواباً خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا عذاب اور رحمت کسی فرقہ پر مخصوص نہیں، سو عذاب تو اُسی پر ہے جسکو اللہ چاہے اور رحمتِ عامہ سب مخلوق کو شامل ہے لیکن وہ رحمتِ خاص جو تم طلب کر رہے ہو لکھی ہے اُنکے نصیب میں جو اللہ کا ڈر رکھتے ہیں اور اموال میں زکوٰۃ ادا کرتے یا نفس کا تزکیہ کرتے ہیں اور خدا کی ساری باتوں پر یقین کامل رکھتے ہیں یعنی آخری اُمت کہ سب کتابوں پر ایمان لاویگی، سو حضرت موسیٰ کی اُمت میں سے جو کوئی آخری کتاب پر یقین لائے وہ پہنچے اس نعمت کو اور حضرت موسیٰ کی دُعا اُن کو لگی۔"

ف۳ "اُمّی" یا تو "اُم" (بمعنی والدہ) کی طرف منسوب ہے جس طرح بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے اور کسی کا شاگرد نہیں ہوتا، نبی کریم صلعم نے ساری عمر کسی مخلوق کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا۔ اس پر کمال یہ ہے کہ جن علوم و معارف اور حقائق و اسرار کا آپنے افاضہ فرمایا۔ کسی مخلوق کا حوصلہ نہیں کہ اُس کا عشرِ عشیر پیش کر سکے۔ پس "نبی اُمی" کا لقب اس حیثیت سے آپکے لئے مایۂ صد افتخار ہے، اور یا "اُمی" کی نسبت "اُم القریٰ" کی طرف ہو جو "مکہ معظمہ" کا لقب ہے جو آپ کا مولد شریف تھا۔ ف۴ یعنی آپ کی تشریف آوری کی بشارات اور نعوت و صفات کتب سماویہ سابقہ میں مذکور ہیں۔ حتیٰ کہ اُس وقت سے لے کر آج تک ساڑھے تیرہ سو برس کی کاٹ چھانٹ کے بعد بھی موجودہ بائبل میں بہت سی بشارات و اشارات پائے جاتے ہیں۔ جن کو ہر زمانہ کے علماء بحوالۂ کتب دکھلاتے چلے آئے ہیں۔ وللہ الحمد علیٰ ذٰلک۔ ف۵ یعنی یہود پر جو سخت احکام تھے اور کھانے کی چیزوں میں اُن کی شرارتوں کی وجہ سے تنگی تھی، فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ (نسآء رکوع ۲۲) اس دین میں وہ سب چیزیں آسان ہوئیں۔ اور جو ناپاک چیزیں مثلاً لحم خنزیر یا گندی باتیں مثلاً سود خوری وغیرہ، انہوں نے حلال کر رکھی تھیں، اُن کی حُرمت اس پیغمبر نے ظاہر فرمائی۔ غرض ان سے بہت سے بوجھ ہلکے کر دیئے اور بہت سی قیدیں اُٹھا دی گئیں۔ جیسا کہ حدیث میں فرمایا "بعثت بالحنيفية السمحة"۔ ف۶ "نور" سے مراد وحی ہے متلوّ ہو یا غیر متلو یعنی قرآن و سُنّت۔

ع ۱۹/۹

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٥٧﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ
وہی لوگ پہنچے اپنی مراد کو تو کہہ اے لوگو میں رسول ہوں اللہ کا تم سب
جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَ
کی طرف جس کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں کسی کی بندگی نہیں اسکے سوا، وہی جلاتا ہے اور
يُمِيتُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ
مارتا ہے سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے بھیجے ہوئے نبی اُمّی پر جو کہ یقین رکھتا ہے اللہ پر
وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٨﴾ وَمِن قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٌ
اور اسکے سب کلاموں پر اور اسکی پیروی کرو تاکہ تم راہ پاؤ ف۱ اور موسیٰ کی قوم میں ایک گروہ ہے
يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿١٥٩﴾ وَقَطَّعْنَاهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ
جو راہ بتلاتے ہیں حق کی اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں ف۲ اور جدا جدا کر دیئے ہم نے اُن کو بارہ دادوں کی
أَسْبَاطًا أُمَمًا ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ إِذِ اسْتَسْقَاهُ قَوْمُهُ
اولاد بڑی بڑی جماعتیں ف۳ اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو جب پانی مانگا اُس سے اُس کی قوم نے
أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ
کہ مار اپنی لاٹھی اس پتھر پر تو پھوٹ نکلے اُس سے بارہ
عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۚ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ
چشمے پہچان لیا ہر قبیلہ نے اپنا گھاٹ اور سایہ کیا ہم نے اُن پر ابر کا
وَأَنزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۚ
اور اُتارا ہم نے اُن پر من اور سلویٰ کھاؤ ستھری چیزیں جو ہم نے روزی دی تم کو
وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١٦٠﴾ وَإِذْ قِيلَ
اور انہوں نے ہمارا کچھ نہ بگاڑا لیکن اپنا ہی نقصان کرتے رہے اور جب حکم ہوا
لَهُمُ اسْكُنُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُولُوا
اُن کو کہ بسو اس شہر میں ف۴ اور کھاؤ اُس میں جہاں سے چاہو اور کہو

ف۱ یعنی آپ کی بعثت تمام دنیا کے لوگوں کو عام ہے۔ عرب کے اُمیین یا یہود و نصاریٰ تک محدود نہیں۔ جس طرح خداوند تعالیٰ شہنشاہ مطلق ہے، آپ اس کے رسُول مطلق ہیں۔ اب ہدایت و کامیابی کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس جامع ترین عالمگیر صداقت کی پیروی کی جائے جو آپ لے کر آئے ہیں۔ یہ ہی پیغمبر ہیں، جن پر ایمان لانا تمام انبیاء و مرسلین اور تمام کتب سماویہ پر ایمان لانے کا مرادف ہے۔

ف۲ گو اکثر یہود سرکشی اور ناانصافی کی راہ اختیار کر رہے ہیں تاہم کچھ ایسی سعید روحیں بھی ہیں، جو دوسروں کو حق کی طرف دعوت دیتی ہیں اور بذاتِ خود حق و انصاف کے راستوں پر گامزن ہیں۔ مثلاً عبداللہ بن سلام وغیرہ۔

ف۳ یعنی اصلاح و انتظام کے لئے اُن کی بارہ جماعتیں جو بارہ دادوں کی اولاد تھی الگ الگ کر دی گئی تھیں۔ پھر ہر ایک جماعت کا ایک نقیب مقرر فرما دیا جو اُس کی نگرانی اور اصلاح کا خیال رکھے۔ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا۔

ف۴ اس شہر سے مراد اکثر نے "اریحا" لیا ہے۔

حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓــٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ

ہم کو بخشدے اور داخل ہو دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے تو بخش دینگے ہم تمہاری خطائیں البتہ زیادہ دینگے

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ

ہم نیکی کرنیوالوں کو ف۱ سو بدل ڈالا ظالموں نے ان میں سے دوسرا لفظ اسکے سوا جو اُن سے کہہ دیا گیا

لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ ع

تھا پھر بھیجا ہم نے اُن پر عذاب آسمان سے بسبب اُن کی شرارت کے ف۲

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ

اور پوچھ اُن سے حال اُس بستی کا جو تھی دریا کے کنارے ف۳ جب حد سے بڑھنے لگے

فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ

ہفتہ کے حکم میں جب آنے لگیں اُن کے پاس مچھلیاں ہفتہ کے دن پانی کے اُوپر اور جس دن

لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛ كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

ہفتہ نہ ہو تو نہ آتی تھیں اس طرح ہم نے اُنکو آزمایا اسلئے کہ وہ نافرمان تھے ف۴

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ

اور جب بولا اُن میں سے ایک فرقہ کیوں نصیحت کرتے ہو اُن لوگوں کو جن کو اللہ چاہتا ہے کہ ہلاک کرے یا

مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ

اُن کو عذاب دے سخت ف۵ وہ بولے الزام اتارنے کی غرض سے تمہارے رب کے آگے اور اس لئے کہ

يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ

شاید وہ ڈریں ف۶ پھر جب وہ بھول گئے اُسکو جو اُنکو سمجھایا تھا تو نجات دی ہم نے اُن کو جو منع کرتے تھے

عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَـِٔيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا

بُرے کام سے اور پکڑا گنہگاروں کو بُرے عذاب میں بسبب اُن کی

يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً

نافرمانی کے ف۷ پھر جب بڑھنے لگے اُس کام میں جس سے وہ روکے گئے تھے تو ہم نے حکم کیا کہ ہو جاؤ بندر

ف۱ یعنی ابھی ایک شہر فتح ہوا۔ آگے سارا ملک ملیگا۔ کذا فی الموضح۔ یا یہ مطلب ہے کہ خطا معاف کر کے نیکوکاروں کے اجر و ثواب بڑھائیں گے کذا فی عامۃ الکتب۔ ف۲ یہ واقعات "وادی تیہ" کے ہیں۔ جن کا بیان سورۂ "بقرہ" ربع پارۂ الٓمٓ کے بعد گذر چکا وہاں کے فوائد میں تفصیل ملاحظہ کی جائے۔ ف۳ یعنی اپنے زمانہ کے یہود سے بطور تنبیہ و توبیخ اُس بستی میں رہنے والے یہود کا قصہ دریافت کیجئے جو داؤد علیہ السلام کے عہد میں پیش آیا۔ اکثر مفسّرین کے نزدیک اس بستی سے شہر "ایلہ" مراد ہے جو بحر قلزم کے کنارے مدین اور طور کے درمیان واقع تھا وہاں کے لوگ دریا کے قرب کی وجہ سے مچھلی کے شکار کی عادت رکھتے تھے۔

ف۴ حق تعالیٰ نے یہود پر ہفتہ کے دن شکار کرنا حرام کیا تھا۔ باشندگان ایلہ کو عدول حکمی اور نافرمانی کی عادت تھی۔ خدا کی طرف سے سخت آزمائش ہونے لگی کہ ہفتہ کے دن دریا میں مچھلیوں کی بعید کثرت ہوتی۔ جو سطح دریا کے اوپر تیرتی تھیں۔ باقی دنوں میں غائب رہتیں۔ ان لوگوں سے صبر نہ ہو سکا۔ صریح حکم الٰہی کے خلاف حیلے کرنے لگے۔ دریا کا پانی کاٹ لائے، جب ہفتہ کے دن مچھلیاں اُن کے بنائے ہوئے حوض میں آجاتیں تو نکلنے کا راستہ بند کر دیتے اور اگلے دن اتوار کو جا کر پکڑ لاتے۔ تاکہ ہفتہ کے دن شکار کرنا صادق نہ آئے۔ گویا اس حرکت سے معاذ اللہ خدا کو دھوکا دینا چاہتے تھے۔ آخر دنیا ہی میں اُس کی سزا بھگتی کہ مسخ کر کے ذلیل بندر بنا دیئے گئے اس سے ظاہر ہوا کہ حیلہ سازی اور مکاری خدا کے آگے پیش نہیں جاتی۔

ف۵ معلوم ہوتا ہے کہ جب انہوں نے حکم الٰہی کے خلاف حیلہ بازی شروع کی تو شہر کے باشندے کئی قسموں پر منقسم ہو گئے۔ جیسا کہ عموماً ایسے حالات میں ہوا کرتا ہے۔ ایک وہ لوگ جنہوں نے اس حیلہ کی آڑ لے کر صریح حکم الٰہی کی خلاف ورزی کی۔ دوسرے نصیحت کرنے والے جو اخیر تک فہمائش اور امر بالمعروف میں مشغول رہے تیسرے جنہوں نے ایک آدھ مرتبہ نصیحت کی پھر مایوس ہو کر اور اُن کی سرکشی سے تھک کر چھوڑ دی۔ چوتھے وہ ہونگے جو نہ اس عمل شنیع میں شریک ہوئے اور نہ منع کرنے کے لئے زبان کھولی، بالکل علیحدہ اور خاموش رہے۔ مؤخر الذکر دو جماعتوں نے انتھک نصیحت کرنے والوں سے کہا ہوگا کہ ان متمردین کے ساتھ کیوں مغز زنی کر کے دماغ کھپاتے ہو جن سے کوئی توقع قبول حق کی نہیں۔ ان کی نسبت تو معلوم ہوتا ہے کہ دو باتوں میں سے ایک بات ضرور پیش آنے والی ہے۔ یا خدا ان کو بالکل تباہ و ہلاک کر دے اور یا کسی سخت ترین عذاب میں مبتلا کرے۔ کیونکہ یہ لوگ اب کسی نصیحت پر کان دھرنے والے نہیں۔

ف۶ یعنی شاید سمجھاتے رہنے سے کچھ ڈر جائیں اور اپنی حرکات شنیعہ سے باز آجائیں۔ ورنہ کم از کم ہم پروردگار کے سامنے عذر تو کر سکتے ہیں کہ خدایا ہم نے آخر دم تک نصیحت و فہمائش میں کوتاہی نہیں کی۔ یہ نہ مانے تو ہم پر اب کیا الزام ہے؟ گویا یہ ناصحین اوّل تو بالکلیہ مایوس نہ تھے دوسرے "عزیمت" پر عمل کر رہے تھے کہ مایوسی کے باوجود بھی اُن کا تعاقب نہیں چھوڑتے تھے۔

ف۷ یعنی جب اُن نالائقوں نے تمام نصیحتوں کو بالکل ایسا بھلا دیا گویا سنا ہی نہیں، تو ہم نے ناصحین کو بچا کر ظالمین کو سخت عذاب میں گرفتار کر دیا۔ اَلَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ کا عموم الفاظ دلالت کرتا ہے کہ جو نصیحت سے تھک کر لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا الخ کہنے لگے اور جنہوں نے اخیر تک سلسلہ وعظ و نصیحت کا جاری رکھا۔ اُن دونوں کو نجات ملی۔ صرف ظالم پکڑے گئے۔ یہی عکرمہ سے منقول ہے۔ اور ابن عباسؓ نے اُن کے فہم کی داد دی ہے۔ باقی جو لوگ اوّل سے آخر تک بالکل ساکت رہے، خدا نے بھی اُن کے ذکر سے سکوت فرمایا۔ ابن کثیر نے خوب لکھا ہے۔ فَنَصَّ عَلٰى نَجَاةِ النَّاهِيْنَ وَهَلَاكِ الظَّالِمِيْنَ وَسَكَتَ عَنِ السَّاكِتِيْنَ لِاَنَّ الْجَزَاءَ مِنْ جِنْسِ الْعَمَلِ فَهُمْ لَا يَسْتَحِقُّوْنَ مَدْحًا فَيُمْدَحُوْا وَلَا ارْتَكَبُوْا عَظِيْمًا فَيُذَمُّوْا (ابن کثیر ج۲ ص۲۵۷) ورجح بعد ذلک قول عکرمۃ واللہ اعلم۔

خٰسِـِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

ذلیل ف۱ اور اُس وقت کو یاد کرو جب خبر کردی تھی تیرے رب نے کہ ضرور بھیجتا رہیگا یہود پر قیامت کے دن تک

مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ

ایسے شخص کو کہ دیا کرے اُن کو بُرا عذاب ف۲ بیشک تیرا رب جلد عذاب کرنیوالا ہے اور وہ

لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَ

بخشنے والا مہربان ہے ف۳ اور متفرق کردیا ہم نے اُن کو ملک میں فرقے فرقے ف۴ بعضے اُن میں نیک اور

مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۡ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ

بعضے اور طرح کے اور ہم نے اُن کی آزمائش کی خوبیوں میں اور برائیوں میں تاکہ وہ

يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ

پھر آئیں ف۵ پھر اُن کے پیچھے آئے ناخلف جو وارث بنے کتاب کے

يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ

لے لیتے ہیں اسباب اس ادنیٰ زندگانی کا اور کہتے ہیں کہ ہم کو معاف ہوجائیگا اور اگر

يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ

ایسا ہی اسباب اُن کے سامنے پھر آئے تو اُس کو لے لیویں ف۶ کیا اُن سے کتاب میں عہد نہیں

الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ

لیا گیا کہ نہ بولیں اللہ پر سوا سچ کے اور انہوں نے پڑھا ہے جو کچھ اُسمیں لکھا ہے

وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ

اور آخرت کا گھر بہتر ہے ڈرنیوالوں کے لئے کیا تم سمجھتے نہیں ف۷ اور جو لوگ

يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

خوب پکڑ رہے ہیں کتاب کو اور قائم رکھتے ہیں نماز کو، بیشک ہم ضائع نہ کرینگے ثواب نیکی والوں کا ف۸

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ

اور جس وقت اُٹھایا ہم نے پہاڑ اُن کے اُوپر مثل سائبان کے اور ڈرے کہ وہ اُن پر

ف۱ شاید پہلے کچھ اور عذاب آیا ہوگا، جب بالکل حد سے گذر گئے تب ذلیل بندر بنائے گئے۔ یا فلما عتوا الخ کو گذشتہ آیت فلما نسوا ما ذکروا بہ الخ کی تفسیر قرار دیا جائے یعنی وہ "عذاب بئیس" یہی بندر بنا دینا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "منع کرنیوالوں نے شکار والوں سے ملنا چھوڑ دیا اور بیچ میں دیوار اُٹھائی، ایک دن صبح کو اُٹھے تو دوسروں کی آواز نہ سُنی، دیوار پر سے دیکھا، ہر گھر میں بندر تھے۔ وہ آدمیوں کو پہچان کر اپنے قرابت والوں کے پاؤں پر سر رکھنے لگے اور رونے لگے۔ آخر بُرے حال سے تین دن میں مر گئے۔ ف۲ یعنی خدا کی طرف سے پختہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ یہود اگر احکام تورات پر عمل کرنا چھوڑ دینگے تو حق تعالیٰ قرب قیامت تک وقتاً فوقتاً اُن پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہیگا جو اُن کو بُرے عذاب میں مبتلا رکھیں۔ بُرا عذاب یہاں محکومانہ زندگی کو فرمایا۔ چنانچہ قوم یہود کبھی یونانی اور کلدانی بادشاہوں کے زیر حکومت رہی کبھی "بخت نصر" وغیرہ کے شدائد کا تختۂ مشق بنی۔ آخر میں نبی کریم صلعم کے عہد مبارک تک مجوسیوں کی باجگذار رہی۔ پھر مسلمان حکمرانوں کو اُن پر مُسلط فرما دیا۔ غرض اُس وقت سے آج تک اُن کو من حیث القوم عزت و آزادی کی زندگی نصیب نہیں ہوئی۔ بلکہ جہاں کہیں رہے۔ اکثر ملوک و حکام کی طرف سے سخت ذلت اور خطرناک تکلیفیں اُٹھاتے رہے۔ اُن کا مال و دولت وغیرہ کوئی چیز اس غلامی و محکومیت کی لعنت سے نجات نہ دے سکی اور نہ قیامت تک دے سکے گی۔ آخر میں جب یہ لوگ دجّال کے مددگار ہو کر نکلیں گے تو حضرت مسیح علیہ السلام کے مسلمان رفقاء کے ہاتھوں سے تہ تیغ کئے جائیں گے۔ کما ورد فی الحدیث۔

ف۳ یعنی جو شرارت سے باز نہ آئے بعض اوقات اُس پر جلدی دنیا ہی میں عذاب بھیجنا شروع کر دیتا ہے اور کیسا ہی کٹر مجرم توبہ کرلے اور نادم ہو کر خدا کی طرف رجوع ہو تو اس کی بخشش و رحمت بھی بے پایاں ہے معاف کرتے ہوئے بھی دیر نہیں لگتی۔

ف۴ یہود کی دولت برہم ہوئی تو آپس کی مخالفت سے ہر طرف نکل گئے کوئی اجتماعی قوت و شوکت نہ رہی اور مذہب مختلف پیدا ہوئے۔ یہ احوال اس اُمّت کو عبرت کے لئے سنائے جا رہے ہیں۔

ف۵ یعنی کچھ افراد اُن میں نیک بھی تھے۔ مگر اکثریت کافروں اور فاسقوں کی تھی۔ اِن اکثروں کے لئے بھی ہم رجوع و انابت الی اللہ کے مواقع بہم پہنچاتے رہے۔ کبھی اُن کو عیش و تنعم میں رکھا کبھی سختی اور تکلیف میں مبتلا کیا کہ ممکن ہے احسان مان کر یا سختیوں سے ڈر کر توبہ کریں اور خدا کی طرف رجوع ہوں۔

ف۶ یعنی اگلوں میں تو کچھ صالحین بھی تھے پچھلے ایسے ناخلف ہوئے کہ جس کتاب (تورات شریف) کے وارث و حامل بنے تھے، دنیا کا تھوڑا سا سامان لے کر اُس کی آیات میں تحریف و کتمان کرنے لگے اور رشوتیں لیکر احکام تورات کے خلاف فیصلے دینے لگے۔ پھر اس پر ستم ظریفی دیکھئے کہ ایسی نالائق اور پاجیانہ حرکات کا ارتکاب کرتے ہوئے یہ عقیدہ اور دعویٰ رکھتے ہیں کہ ان باتوں سے ہم کو مضرت کا کچھ اندیشہ نہیں۔ ہم تو خدا کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں۔ کچھ بھی کریں وہ ہماری بے اعتدالیوں سے ضرور درگذر کریگا۔ اسی عقیدہ کی بنا پر تیار رہتے ہیں کہ آیندہ جب موقع ہو پھر رشوت لے کر اسی طرح کی بے ایمانی کا اعادہ کریں۔ گویا بجائے اس کے کہ گذشتہ حرکات پر نادم ہوتے اور آیندہ کے لئے عزم رکھتے کہ ایسی حرکات کا اعادہ نہ کرینگے مکر اللہ سے مامون ہو کر اُن ہی شرارتوں اور بے ایمانیوں کے اعادہ کا عزم رکھتے ہیں اس سے زیادہ حماقت اور بیحیائی کیا ہوگی؟

ف۷ یعنی تورات میں جو عہد لیا گیا تھا کہ "خدا کی طرف سچ کے سوا کسی چیز کی نسبت نہ کریں" کیا وہ انہیں معلوم نہیں جو اسکی کتاب اور احکام میں قطع و برید کر کے اُس پر افترا کرنے لگے، حالانکہ "کتاب اللہ" (تورات) کو یہ لوگ پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اُس کا مضمون انہیں معلوم نہیں یا یاد نہیں رہا۔ حقیقت وہ یہی ہے کہ دنیا کی فانی متاع کے عوض انہوں نے دین و ایمان بیچ ڈالا اور آخرت کی تکلیف و راحت سے آنکھیں بند کر لیں۔ اتنا نہ سمجھے کہ جو لوگ خدا سے ڈرتے اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتے ہیں اُن کے لئے آخرت کا گھر اور وہاں کا عیش و تنعم دُنیا کی خوشحالی سے کہیں بہتر اور فائق ہے۔ کاش کہ اب بھی اُنہیں عقل آجائے۔ ف۸ یعنی توبہ اور اصلاح حال کا دروازہ اب بھی کھلا ہے جو لوگ شریروں کی راہ چھوڑ کر تورات کی اصلی ہدایات کو تھامے رہیں اور اُسی کی ہدایت و پیشین گوئی کے موافق اس وقت قرآن کریم کا دامن مضبوط پکڑے رہیں اور خدا کی بندگی (نماز وغیرہ) کا حق ٹھیک ٹھیک ادا کریں۔ غرض اپنی اور دوسروں کی اصلاح پر متوجہ ہوں۔ خدا اُن کی محنت ضائع نہ کریگا وہ بلاشبہ اپنی محنت کا میٹھا پھل چکھیں گے۔

بِهِمْ ۚ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٧١﴾

گر پڑیگا ہم نے کہا پکڑو جو ہم نے تم کو دیا ہے زور سے اور یاد رکھو جو اُس میں ہے تاکہ تم بچتے رہو ف۱

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ

اور جب نکالا تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے اُن کی اولاد کو اور

أَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَا ۛ

اقرار کرایا اُن سے اُن کی جانوں پر کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب . بولے ہاں ہے ہم اقرار کرتے ہیں

أَن تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ ﴿١٧٢﴾ أَوْ تَقُولُوا

کبھی کہنے لگو قیامت کے دن ہم کو تو اس کی خبر نہ تھی یا کہنے لگو

إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِن قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّن بَعْدِهِمْ ۖ

کہ شرک تو نکالا تھا ہمارے باپ دادوں نے ہم سے پہلے اور ہم ہوئے اُن کی اولاد اُن کے پیچھے

أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ﴿١٧٣﴾ وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَ

تو کیا تو ہم کو ہلاک کرتا ہے اُس کام پر جو کیا گمراہوں نے ف۲ اور یوں ہم کھول کر بیان کرتے ہیں باتیں

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٧٤﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا

تاکہ وہ پھر آئیں ف۳ اور سُنادے اُن کو حال اس شخص کا جس کو ہم نے دی تھیں اپنی آیتیں

فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴿١٧٥﴾ وَلَوْ

پھر وہ اُن کو چھوڑ نکلا پھر اُسکے پیچھے لگا شیطان تو وہ ہو گیا گمراہوں میں اور

شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ ۚ

ہم چاہتے تو بلند کرتے اُس کا رتبہ اُن آیتوں کی بدولت لیکن وہ تو ہو رہا زمین کا اور پیچھے ہولیا اپنی خواہش کے

فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ

تو اُس کا حال ایسا جیسے کتا اُس پر تو بوجھ لادے تو ہانپے اور چھوڑ دے

يَلْهَث ۚ ذَّٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ فَاقْصُصِ

تو ہانپے یہ مثال ہے اُن لوگوں کی جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو سو بیان کر

ف۱ یعنی جو "میثاق الکتاب" (عہد و اقرار) اُنہیں یاد دلایا جا رہا ہے، وہ ایسے اہتمام سے لیا گیا تھا کہ پہاڑ اٹھا کر اُن کے سروں پر لٹکا دیا گیا اور کہا گیا کہ جو کچھ تم کو دیا جا رہا ہے (تورات وغیرہ) اُسے پوری مضبوطی اور عزم سے تھامو اور جو نصیحتیں کی گئیں انہیں ہمیشہ یاد رکھو۔ ورنہ بصورت انکار سمجھ لو کہ خدا تم پر یہ پہاڑ گرا کر ہلاک کر سکتا ہے۔ اس قدر اہتمام اور تخویف و تاکید سے جو قول قرار لیا گیا تھا، افسوس ہے وہ بالکل فراموش کر دیا گیا۔ یہ "رفع جبل" کا قصہ سورۂ بقرہ میں ربع پارہ الٓمٓ کے بعد گذر چکا ہے ملاحظہ فرما لیا جائے۔

ف۲ "میثاق خاص" کے بعد یہاں سے "میثاق عام" کا ذکر کرتے ہیں۔ تمام عقائد حقہ اور ادیان سماویہ کا بنیادی پتھر یہ ہے کہ انسان خدا کی ہستی اور ربوبیت عامہ پر اعتقاد رکھے۔ مذہب کی ساری عمارت اسی سنگ بنیاد پر کھڑی ہوتی ہے۔ جب تک یہ اعتقاد نہ ہو، مذہبی میدان میں عقل و فکر کی رہنمائی اور انبیاء و مرسلین کی ہدایات کچھ نفع نہیں پہنچا سکتیں۔ اگر پورے غور و تامل سے دیکھا جائے تو آسمانی مذہب کے تمام اصول و فروع بالآخر خدا کی "ربوبیت عامہ" کے اسی عقیدہ پر منتہی ہوتے بلکہ اسی کی تہ میں لپٹے ہوئے ہیں۔ عقل سلیم اور وحی و الہام اسی اجمال کی شرح کرتے ہیں پس ضروری تھا کہ یہ تخم ہدایت جسے کل آسمانی تعلیمات کا مبدا و منتہٰی اور تمام ہدایات ربانیہ کا وجود مجمل کہنا چاہیئے عام فیاضی کے ساتھ نوع انسانی کے تمام افراد میں بکھیر دیا جائے تاکہ ہر آدمی عقل و فہم اور وحی و الہام کی آبیاری سے اس تخم کو شجر ایمان و توحید کے درجہ تک پہنچا سکے اگر قدرت کی طرف سے قلوب بنی آدم میں ابتداءً یہ تخم ریزی نہ ہوتی اور اس سب سے زیادہ اساسی و جوہری عقدہ کا حل ناخن عقل و فکر کے سپرد کر دیا جاتا، تو یقیناً یہ مسئلہ بھی منطقی استدلال کی بھول بھلیاں میں پھنسکر ایک نظری مسئلہ بن کر رہ جاتا، جس پر سب تو کیا اکثر آدمی بھی متفق نہ ہو سکتے جیسا کہ تجربہ بتلاتا ہے کہ فکر و استدلال کی ہنگامہ آرائیاں اکثر اتفاق سے زیادہ اختلاف آراء پر منتج ہوتی ہیں۔ اس لئے قدرت نے جہاں غور و فکر کی قوت اور نور وحی و الہام کے قبول کرنے کی استعداد بنی آدم میں ودیعت فرمائی، وہیں اس اساسی عقیدہ کی تعلیم سے اُن کو فطرۃً بہرہ ور کیا جس کے اجمال میں کل آسمانی ہدایات کی تفصیل منطوی و مندرج تھی۔ اور جس کے بدون مذہب کی عمارت کا کوئی ستون کھڑا نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ اُسی ازلی اور خدائی تعلیم کا اثر ہے کہ آدم کی اولاد ہر قرن اور ہر گوشہ میں حق تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کے عقیدہ پر کسی نہ کسی حد تک متفق رہی ہے۔ اور جن معدود افراد نے کسی عقلی و روحی بیماری کی وجہ سے اس عام فطری احساس کے خلاف آواز بلند کی ہے وہ انجام کار دنیا کے سامنے بلکہ خود اپنی نظر میں بھی اسی طرح جھوٹے ثابت ہوئے جیسے ایک بخار وغیرہ کا مریض، لذیذ اور خوشگوار غذاؤں کو تلخ اور بدمزہ بتلانے میں جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ بہرحال ابتدائے آفرینش سے آج تک ہر درجہ اور طبقہ کے انسانوں کا خدا کی ربوبیت کبریٰ پر عام اتفاق و اجماع اس کی زبردست دلیل ہے کہ یہ عقیدہ عقول و افکار کی دوا دوش سے پہلے ہی فاطر حقیقی کی طرف سے اولاد آدم کو بلاواسطہ تلقین فرما دیا گیا ورنہ فکر و استدلال کے راستہ سے ایسا اتفاق پیدا ہو جانا تقریباً ناممکن تھا۔ قرآن کریم کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ اس نے آیات حاضرہ میں عقیدہ کی اس فطری یکسانیت کے اصلی راز پر روشنی ڈالی۔ بلا شبہ ہم کو یاد نہیں کہ اس بنیادی عقیدہ کی تعلیم کب اور کہاں اور کس ماحول میں دی گئی تاہم جس طرح ایک لیکچرار اور انشاء پرداز کو یقین ہے کہ ضرور اس کو ابتدائے عمر میں کسی نے الفاظ بولنے سکھلائے، جس سے ترقی کر کے آج اس رتبہ کو پہنچا۔ گو پہلا لفظ سکھلانے والا اور سکھلانے کا وقت، مکان اور دیگر خصوصیات مقامی بلکہ نفس سکھلانا کبھی یاد نہیں۔ تاہم اس کے موجودہ آثار سے یقین ہے کہ ایسا واقع ضرور ہوا ہے۔ اسی طرح بنی نوع الانسان کا علی اختلاف الاقوام والاجیال "عقیدۂ ربوبیت الٰہی" پر متفق ہونا اس کی کھلی شہادت ہے کہ یہ چیز بذر فطرت میں کسی معلم کے ذریعہ سے اُن تک پہنچی ہے۔ باقی تعلیمی خصوصیات و احوال کا محفوظ نہ رہ سکنا اس کی تسلیم میں خلل انداز نہیں ہو سکتا۔ اسی ازلی و فطری تعلیم نے جس کا نمایاں اثر آج تک انسانی سرشت میں موجود چلا آتا ہے، ہر انسان کو خدا کی حجت کے سامنے ملزم کر دیا ہے جو شخص اپنے الحاد و شرک کو حق بجانب قرار دینے کے لئے غفلت، بے خبری یا آباء و اجداد کی کورانہ تقلید کا عذر کرتا ہے، اُس کے مقابلہ پر خدا کی یہی حجت قاطعہ جس میں اصل فطرت انسانی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے بطور فیصلہ کن جواب کے پیش کی جا سکتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے اُن کی اولاد اور اُن سے اُن کی اولاد نکالی سب سے اقرار کروایا اپنی خدائی کا۔ پھر پشت میں داخل کیا۔ اس سے مدعا یہ ہے کہ خدا کے رب مطلق ماننے میں ہر کوئی آپ کفایت کرتا ہے۔ باپ کی تقلید نہ چاہیئے۔ اگر باپ شرک کرے بیٹے کو چاہیئے ایمان لاوے اگر کسی کو شبہ ہو کہ وہ عہد تو یاد نہیں رہا پھر کیا حاصل؟ تو یوں سمجھے کہ اس کا نشان ہر کسی کے دل میں ہے اور ہر زبان پر مشہور ہو رہا ہے کہ سب کا خالق اللہ ہے سارا جہان قائل ہے اور جو کوئی منکر ہے یا شرک کرتا ہے سو اپنی عقل ناقص کے دخل سے پھر آپ ہی جھوٹا ہوتا ہے۔"

ف۳ موضح القرآن میں ہے کہ "یہ قصہ یہود کو سنایا کہ وہ بھی عہد سے پھرے ہیں جیسے مشرک پھرتے ہیں۔"

ف۱ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیات بلعم بن باعوراء کے حق میں نازل ہوئیں جو ایک عالم اور صاحب تصرف درویش تھا۔ بعدہٗ اللہ کی آیات و ہدایات کو چھوڑ کر عورت کے اغوا اور دولت کے لالچ سے حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ میں اپنے تصرفات چلانے اور ناپاک تدبیریں بتلانے کے لئے تیار ہو گیا۔ آخر موسیٰ علیہ السلام کا تو کچھ نہ بگاڑ سکا خود مردود ابدی بنا آیات اللہ کا جو علم بلعم کو دیا گیا تھا، اگر خدا چاہتا تو اُس کے ذریعہ سے بہت بلند مراتب پر اُس کو فائز کر دیتا۔ اور یہ جب ہی ہو سکتا تھا کہ اسے اپنے علم پر چلنے اور آیات اللہ کا اتباع کرنے کی توفیق ہوتی۔ لیکن ایسا نہ ہوا کیونکہ وہ خود آسمانی برکات کی طرف سے منہ موڑ کر زمینی شہوات ولذات کی طرف جھک پڑا وہ نفسانی خواہشات کے پیچھے چل رہا تھا اور شیطان اس کا پیچھا (تعاقب) کرتا جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ پکے کجروؤں اور گمراہوں کی قطار میں جا داخل ہوا۔ اُس وقت اُس کا حال کُتّے کی طرح ہو گیا جس کی زبان باہر لٹکی ہو اور برابر ہانپ رہا ہو اگر فرض کرو اس پر بوجھ لادیں یا ڈانٹ بتلائیں یا کچھ نہ کہیں آزاد چھوڑ دیں، بہر صورت ہانپتا اور زبان لٹکائے رہتا ہے۔ کیونکہ طبعی طور پر دل کی کمزوری کی وجہ سے گرم ہوا کے باہر پھینکنے اور سرد و تازہ ہوا کے اندر کھینچنے پر بسہولت قادر نہیں ہے۔ اسی طرح سفلی خواہشات میں منہ مارنے والے کُتّے کا حال ہوا کہ اخلاقی کمزوری کی وجہ سے "آیات اللہ" کا دیا جانا اور نہ دیا جانا یا تنبیہ کرنا اور نہ کرنا دونوں حالتیں اس کے حق میں برابر ہو گئیں۔ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ حرص دنیا سے اس کی زبان باہر لٹک پڑی اور ترک آیات کی نحوست سے بدحواسی اور پریشانی خاطر کا نقشہ برابر ہانپتے رہنے کی مثال میں ظاہر ہوا۔ ممکن ہے کہ بلعم کی باطنی و معنوی کیفیت ظاہر کرنے کے لئے صرف ایک مثال کے طور پر یہ مضمون (اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ) ذکر کیا گیا ہو اور ہو سکتا ہے کہ دنیا یا آخرت میں اس کے لئے یہ سزا تجویز کی گئی ہو کہ ظاہری و حسی طور پر کتے کی طرح زبان باہر نکل پڑے اور ہمیشہ پریشان و بدحواس اور خوف زدہ آدمی کی طرح ہانپتا رہے۔ العیاذ باللہ۔ آیات کی شان نزول کچھ ہو، بہرحال ایسے ہوا پرستوں کا انجام بتلایا گیا ہے جو حق کے قبول کرنے یا پوری طرح سمجھ لینے کے بعد محض دنیوی طمع اور سفلی خواہشات کی پیروی میں احکام الٰہیہ کو چھوڑ کر شیطان کے اشاروں پر چلنے لگیں۔ اور خدا کے عہد و میثاق کی کچھ پروا نہ کریں۔ گویا یہود کو بھی متنبہ فرما دیا کہ صرف کتاب کا علم کچھ نافع نہیں ہو سکتا جب تک صحیح معنی میں اُس کا اتباع نہ ہو مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا (الجمعہ رکوع ۱) علمائے سوء کے لئے ان آیات میں بڑا عبرتناک سبق ہے اگر دھیان کریں۔

ف۲ مشرکین وغیرہم کے رد میں جابجا قرآن نے عنکبوت، ذباب، مکڑی، مکھی وغیرہ کی مثالیں بیان فرمائی ہیں مگر ان لوگوں کی مثال ایسی بُری ہے کہ کوئی غیرتمند آدمی حتی المقدور اُس کو اپنے پر چسپاں نہیں ہونے دیگا۔ اور جو بے حیا غدار اپنے احوال پر چسپاں ہونے دیتا ہے وہ صرف اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔

ف۳ علم و فضل بھی انسان کو جب ہی کام دیتا ہے کہ خدا کی ہدایت و دستگیری سے علم صحیح کے موافق چلنے کی توفیق ہو جسے وہ سیدھے راستہ پر چلنے کے لئے موافق نہ کرے تو کتنی ہی بڑی علمی فضیلت و قابلیت رکھتا ہو سمجھ لو کہ ٹوٹے اور خسارے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئیگا۔ اس لئے انسان اپنے علم و فضل پر مغرور نہ ہو بلکہ دائماً خدا سے ہدایت و توفیق کا طلبگار رہے۔

ف۴ یہ آیت بظاہر آیۂ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ کے معارض معلوم ہوتی ہے۔ اسی لئے بعض مفسرین نے وہاں لِيَعْبُدُوْنِ میں لام غایت اور یہاں لجہنم میں لام عاقبت مراد لیا ہے یعنی سب کے پیدا کرنے سے مطلوب اصلی تو عبادت ہے لیکن بہت سے جن و انس چونکہ اس مطلب کو پورا نہ کرینگے اور انجام کار دوزخ میں بھیجے جائیں گے۔ اس انجام کے لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ گویا وہ دوزخ ہی کے لئے پیدا ہوئے۔ کما فی قولہ تعالیٰ فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا۔ باقی محققین کے نزدیک اس تکلف کی حاجت نہیں۔ وہ دونوں جگہ "لام غایت" ہی کا ارادہ کرتے ہیں۔ مگر "لِيَعْبُدُوْنِ" میں "غایت تشریعی" اور یہاں لجہنم میں "غایت تکوینی" بیان کی گئی ہے۔

الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۱۷۶ سَآءَ مَثَلًا ۨالْقَوْمُ الَّذِيْنَ

یہ احوال تاکہ وہ دھیان کریں ف۱ بُری مثال ہے اُن لوگوں کی کہ

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۱۷۷ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ

جھٹلایا انہوں نے ہماری آیتوں کو، اور وہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے ف۲ جس کو اللہ رستہ دے

فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۱۷۸

وہ ہی رستہ پاوے اور جس کو وہ بچلادے سو وہی ہیں ٹوٹے میں ف۳

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ

اور ہم نے پیدا کئے دوزخ کے واسطے بہت سے جن اور آدمی ف۴ انکے دل ہیں

لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اٰذَانٌ

کہ اُن سے سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں کہ اُن سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں

لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓىِٕكَ

کہ اُن سے سنتے نہیں وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے بلکہ اُن سے بھی زیادہ بے راہ وہی

هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۱۷۹ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠ وَذَرُوا

لوگ ہیں غافل ف۵ اور اللہ کے لئے ہیں سب نام اچھے سو اُس کو پکارو وہی نام کہکر اور چھوڑ دو

الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اَسْمَآىِٕهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۱۸۰

اُن کو جو کج راہ چلتے ہیں اُس کے ناموں میں وہ بدلہ پا رہیں گے اپنے کئے کا ف۶

وَمِمَّنْ خَلَقْنَاۤ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۱۸۱ وَ ع ۲۲ / ۱۲

اور اُن لوگوں میں کہ جن کو ہم نے پیدا کیا ہے ایک جماعت ہے کہ راہ بتلاتے ہیں سچی اور اُسی کے موافق انصاف کرتے ہیں ف۷ اور

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۱۸۲

جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ہم اُنکو آہستہ آہستہ پکڑینگے ایسی جگہ سے جہاں سے اُن کو خبر بھی نہ ہوگی

وَاُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۱۸۳ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۫

اور میں اُنکو ڈھیل دونگا بیشک میرا داؤ پکا ہے ف۸ کیا انہوں نے دھیان نہیں کیا

ف۵ یعنی دل، کان، آنکھ سب کچھ موجود ہیں۔ لیکن نہ دل سے "آیات اللہ" میں غور کرتے ہیں۔ نہ قدرت کے نشانات کا بنظرِ تعمق و اعتبار مطالعہ کرتے ہیں۔ اور نہ خدائی باتوں کو بسمع قبول سُنتے ہیں جس طرح چوپائے جانوروں کے تمام ادراکات فقط کھانے پینے اور بہیمی جذبات کے دائرہ میں محدود ہوتے ہیں یہ ہی حال اِن کا ہے کہ دل و دماغ، ہاتھ پاؤں، کان آنکھ غرض خدا کی دی ہوئی سب قوتیں محض دنیوی لذائذ اور مادی خواہشات کی تحصیل و تکمیل کے لئے وقف ہیں۔ انسانی کمالات اور ملکوتی خصال کے اکتساب سے کوئی سروکار نہیں بلکہ غور کیا جائے تو اِن کا حال ایک طرح چوپائے جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ جانور مالک کے بُلانے پر چلا آتا ہے اُس کے ڈانٹنے سے رُک جاتا ہے، یہ کبھی مالک حقیقی کی آواز پر کان نہیں دھرتے، پھر جانور اپنے فطری قویٰ سے وہ ہی کام لیتے ہیں جو قدرت نے اُن کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ زیادہ کی اُن میں استعداد ہی نہیں لیکن ان لوگوں میں رُوحانی و عرفانی ترقیات کی جو فطری قوت و استعداد ودیعت کی گئی تھی، اُسے مہلک غفلت اور بے راہ روی سے خود اپنے ہاتھوں ضائع معطل کر دیا گیا ف۶ غافلین کا حال ذکر کر کے مومنین کو متنبہ فرمایا ہے کہ تم غفلت اختیار نہ کرنا۔ غفلت دُور کرنے والی چیز خدا کی یاد ہے، سو تم ہمیشہ اُس کو اچھے ناموں سے پکارو اور اچھی صفات سے یاد کرو، جو لوگ اُس کے اسماء و صفات کے بارہ میں کج روش اختیار کرتے ہیں انہیں چھوڑ دو وہ جیسا کریں گے ویسا بھگتیں گے۔ خدا کے ناموں اور صفتوں کے متعلق کجروی یہ ہے کہ خدا پر ایسے نام یا صفت کا اطلاق کرے جس کی شریعت نے اجازت نہیں

بقیہ فوائد صفحہ ۲۳۰- دی اور جو حق تعالیٰ کی تعظیم واجلال کے لائق نہیں یا اُس کے مخصوص نام اور صفت کا اطلاق غیر اللہ پر کرے، یا اُن کے معانی بیان کرنے میں بے اصول تاویل اور کھینچ تان کرے یا اُن کو معصیت (مثلاً سحر وغیرہ) کے مواقع میں استعمال کرنے لگے- یہ سب کجروی ہے- **ف** یہ جماعت اُمت محمدیہ مرحومہ ہے علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم جس نے ہر قسم کی افراط و تفریط اور کجروی سے علیحدہ ہو کر سچائی اور انصاف واعتدال کا طریقہ اختیار کیا- اور اسی کی طرف دوسروں کو دعوت دیتی ہے- آگے اس اُمت کے مخالفین اور حق کی تکذیب کرنے والوں کا ذکر ہے۔ **ف۸** جھٹلانے والے مجرموں کو بسا اوقات فوراً سزا نہیں ملتی- بلکہ دنیوی عیش و فراخی کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں- حتیٰ کہ خدائی سزا سے بے فکر ہو کر ارتکاب جرائم پر اور زیادہ دلیر بن جاتے ہیں- اس طرح جو انتہائی سزا اُن پر جاری کرنی ہے رفتہ رفتہ اپنے کو علانیہ اور کامل طور پر اُس کا مستحق ثابت کر دیتے ہیں- یہ ہی خدا کی ڈھیل اور استدراج ہے- وہ حماقت اور بیحیائی سے سمجھتے ہیں کہ ہم پر مہربانی ہو رہی ہے اور حقیقت میں انتہائی عذاب کے لئے تیار کیا جا رہا ہے- خدا کا "کید" (داؤ یا خفیہ تدبیر) اسی کو کہا کہ ایسی کارروائی کی جائے جس کا ظاہر رحمت اور باطن قہر و عذاب ہو- بیشک خدا کی تدبیر بڑی مضبوط اور پختہ ہے جس کی کسی حیلہ اور تدبیر سے مدافعت نہیں ہو سکتی۔

فوائد صفحہ ہٰذا- ف۱ یعنی آخر آیات اللہ کو جھٹلانے اور اُس کے بد انجام سے غافل ہو جانے کا سبب کیا ہے- اُن آیات کا لانے والا معاذ اللہ کوئی بے عقل و مجنون نہیں- وہ ساری عمر تمہارے پاس رہا، اُس کے ہر چھوٹے بڑے حال سے تم واقف ہو اس کی عقل و دانش اور امانت و دیانت پہلے سے مسلّم و معروف ہے جس کے پاس سے لایا وہ تمام جہان کا مالک شہنشاہ مطلق اور ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اُس کے نہایت ہی محکم و مضبوط نظام سلطنت بلکہ ہر چھوٹی بڑی چیز میں جو اُس نے پیدا کی ہے غور کرو تو یہ "آیات تکوینیہ" "آیات تنزیلیہ" کی تصدیق کریں گی- پھر آیات اللہ کی تسلیم میں کیا عذر باقی ہے- اُنہیں سمجھنا چاہیئے کہ شاید اُن کی موت و ہلاکت کا وقت قریب آ لگا ہو- لہٰذا بعد الموت کے لئے جو تیاری کرنی ہے جلد کرنا چاہیئے-

ف۲ یعنی اگر آیات قرآنیہ پر ایمان نہ لائے تو دنیا میں اور کونسی بات اور کونسا کلام ہے جس پر ایمان لانے کی اُمید کی جا سکتی ہے سمجھ لو کہ ان بدبختوں کے لئے دولتِ ایمان مقدر ہی نہیں-

ف۳ ہدایت و ضلالت، ہر چیز خدا کے قبضہ میں ہے- وہ نہ چاہے تو سارے سامان ہدایت رکھے رہ جائیں- آدمی کہیں سے کبھی منتفع نہ ہو ہاں عادۃً وہ جب ہی ہدایت کی توفیق دیتا ہے جب بندہ خود اپنے کسب و اختیار سے اُس راستہ پر چلنا چاہے- باقی جو دیدہ و دانستہ بدی اور شرارت ہی کی ٹھان لے تو خدا بھی رستہ دکھلانے کے بعد اُسی حال میں اُسے چھوڑ دیتا ہے-

ف۴ پہلے عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُھُمْ میں خاص اُس قوم کی اجل (موت) کا ذکر تھا کہ اُنہیں کچھ معلوم نہیں کب آ جائے- یہاں تمام دنیا کی اجل (قیامت) کے متعلق متنبہ فرما دیا کہ جب کسی کو خاص اپنی موت کا علم نہیں کب آئے، پھر کل دنیا کی موت کو کون بتلا سکتا ہے، کہ فلاں تاریخ اور فلاں سنہ میں آئیگی- اس کی تعیین کا علم بجز خدائے علام الغیوب کسی کے پاس نہیں- وہ ہی وقت معین و مقدر پر اُسے واقع کر کے ظاہر کر دے گا کہ خدا کے علم میں اُس کا یہ وقت تھا- آسمان و زمین میں وہ بڑا بھاری واقعہ ہو گا اور اُس کا علم بھی بہت بھاری ہے جو خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں- گو اُس واقعہ کی امارات (بہت سی نشانیاں) انبیاء علیہم السلام خصوصاً ہمارے پیغمبر آخر الزمان صلعم نے بیان فرمائی ہیں- تاہم ان سب علامات کے ظہور کے بعد بھی جب قیامت کا وقوع ہو گا تو بالکل بے خبری میں اچانک اور دفعۃً ہو گا جیسا کہ بخاری وغیرہ کی احادیث میں تفصیلاً مذکور ہے-

ف۵ ان لوگوں کے طرز سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا وہ آپ کی نسبت یوں سمجھتے ہیں کہ آپ بھی اسی مسئلہ کی تحقیق و تفتیش اور کھوج لگانے میں مشغول رہے ہیں اور تلاش کے بعد اُسکے علم تک رسائی حاصل کر چکے ہیں

مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۗ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۱۸۴

کہ اُن کے رفیق کو کچھ بھی جنون نہیں وہ تو ڈرانے والا ہے صاف

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ

کیا انہوں نے نظر نہیں کی سلطنت میں آسمان اور زمین کی اور جو کچھ پیدا کیا ہے اللہ نے

مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ

ہر چیز سے اور اس میں کہ شاید قریب آ گیا ہو اُن کا وعدہ **ف** سو اس

حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۱۸۵ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ

کے پیچھے کس بات پر ایمان لائیں گے **ف۲** جس کو اللہ بچلائے اُس کو کوئی نہیں راہ

لَهٗ ۭ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۱۸۶ يَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ

دکھلانیوالا، اور اللہ چھوڑے رکھتا ہے اُن کو اُن کی شرارت میں سرگرداں **ف۳** تجھ سے پوچھتے ہیں قیامت

السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا

کو کہ کب ہے اسکے قائم ہونیکا وقت، تو کہہ اسکی خبر تو میرے رب ہی کے پاس ہے، وہی کھول دکھائیگا

لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا

اُس کو اُس کے وقت پر وہ بھاری بات ہے آسمانوں اور زمین میں جب تم پر آئیگی تو

بَغْتَةً ۭ يَسْــَٔـلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ

بیخبر آئیگی **ف۴** تجھ سے پوچھنے لگتے ہیں کہ گویا تو اُس کی تلاش میں لگا ہوا ہے، تو کہہ دے اُس کی خبر ہے خاص اللہ

اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۱۸۷ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ

کے پاس لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے **ف۵** تو کہہ دے کہ میں مالک نہیں اپنی جان کے

نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ

بھلے کا اور نہ برے کا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں جان لیا کرتا غیب کی بات

لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ڔ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ڔ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ

تو بہت کچھ بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھ کو برائی کبھی نہ پہنچتی **ف۶** میں تو بس ڈر

وقف لازم

معانقة

حالانکہ یہ علم حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ مخصوص ہے انبیاء علیہم السلام اس چیز کے پیچھے نہیں پڑا کرتے جس سے خدا نے اپنی مصلحت کی بناء پر روک دیا ہو- نہ اُن کے اختیار میں ہے کہ جو چاہیں کوشش کر کے ضرور ہی معلوم کر لیا کریں- اُن کا منصب یہ ہے کہ جن بیشمار علوم و کمالات کا خدا کی طرف سے افاضہ ہو، نہایت شکر گذاری اور قدر شناسی کے ساتھ قبول کرتے رہیں- مگر ان باتوں کو اکثر عوام کالانعام کیا سمجھیں- **ف۶** اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ کوئی بندہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو، نہ اپنے اندر "اختیار مستقل" رکھتا ہے نہ "علم محیط"، سید الانبیاء صلعم جو علوم اولین و آخرین کے حامل اور خزائن ارضی کی کنجیوں کے امین بنائے گئے تھے، اُن کو یہ اعلان کرنے کا حکم ہے کہ میں دوسروں کو کیا خود اپنی جان کو بھی کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا، نہ کسی نقصان سے بچا سکتا ہوں- مگر جس قدر اللہ چاہے اُتنے ہی پر میرا قابو ہے اور اگر میں غیب کی ہر بات جان لیا کرتا تو بہت سی وہ بھلائیاں اور کامیابیاں بھی حاصل کر لیتا جو علم غیب نہ ہونے کی وجہ سے کسی وقت فوت ہو جاتی ہیں- نیز کبھی کوئی ناخوشگوار حالت مجھ کو پیش نہ آیا کرتی- مثلاً "افک" کے واقعہ میں کتنے دنوں تک حضورؐ کو وحی نہ آنے کی وجہ سے اضطراب و قلق رہا- حجۃ الوداع میں تو صاف ہی فرما دیا "لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِیْ مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمَا سُقْتُ الْھَدْیَ" (اگر میں پہلے سے اُس چیز کو جانتا جو بعد میں پیش آئی تو ہر گز ہدی کا جانور اپنے ساتھ نہ لاتا) اسی قسم کے بیسیوں واقعات ہیں جن کی روک تھام "علم محیط" رکھنے کی صورت میں نہایت آسانی سے ممکن تھی- ان سب سے بڑھ کر عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ "حدیث جبرئیلؑ" کی بعض روایات میں آپ نے تصریحاً فرمایا کہ یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے جبرئیل کو واپسی کے وقت تک نہیں پہچانا- جب وہ اُٹھ کر چلے گئے تب علم ہوا کہ جبرئیل تھے-

(باقی برصفحہ ۲۳۲)

ع ٢٣ / ١٤

وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١٨٨﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ

اور خوشخبری سنانے والا ہوں ایماندار لوگوں کو وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ایک جان

وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا ۖ فَلَمَّا تَغَشَّاهَا

سے اور اُسی سے بنایا اُس کا جوڑا تاکہ اُسکے پاس آرام پکڑے، پھر جب مرد نے عورت کو

حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ ۖ فَلَمَّا أَثْقَلَت دَّعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا

ڈھانکا حمل رہا ہلکا سا حمل تو چلتی پھرتی رہی اسکے ساتھ، پھر جب بوجھل ہوگئی تو دونوں نے پکارا اللہ اپنے رب کو

لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿١٨٩﴾ فَلَمَّا آتَاهُمَا

کہ اگر تو ہم کو بخشے چنگا بھلا تو ہم تیرا شکر کریں پھر جب اُن کو دیا

صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا ۚ فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿١٩٠﴾

چنگا بھلا تو بنانے لگے اُسکے لئے شریک اُس کی بخشی ہوئی چیز میں سو اللہ برتر ہے اُنکے شریک بنانے سے ف

أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿١٩١﴾ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ

کیا شریک بناتے ہیں ایسوں کو جو پیدا نہ کریں ایک چیز بھی اور وہ پیدا ہوئے ہیں ف۲ اور نہیں کر سکتے ہیں

لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ﴿١٩٢﴾ وَإِن تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ

اُن کی مدد اور نہ اپنی مدد کریں اور اگر تم اُن کو پکارو رستہ کی طرف

لَا يَتَّبِعُوكُمْ ۚ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنتُمْ صَامِتُونَ ﴿١٩٣﴾

تو نہ چلیں تمہاری پکار پر برابر ہے تم پر کہ اُن کو پکارو یا چپکے رہو

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ ۖ فَادْعُوهُمْ

جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا وہ بندے ہیں تم جیسے بھلا پکارو تو اُن کو

فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٩٤﴾ أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ

پس چاہئے کہ وہ قبول کریں تمہارے پکارنے کو، اگر تم سچے ہو کیا اُنکے پاؤں ہیں جن سے چلتے

بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا ۖ

ہیں یا اُن کے ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے ہیں یا اُن کے آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہیں

بقیہ فوائد صفحہ ۲۳۱ - یہ واقعہ بتصریح محدثین بالکل آخر عمر کا ہے۔ اس میں قیامت کے سوال پر "مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ" ارشاد فرمایا ہے۔ گویا بتلا دیا گیا کہ "علم محیط" خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اور "علم غیب" تو در کنار، محسوسات و مبصرات کا پورا علم بھی خدا ہی کے عطا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ کسی وقت نہ چاہے تو ہم محسوسات کا بھی ادراک نہیں کر سکتے۔ بہر حال اس آیت میں کھول کر بتلا دیا گیا کہ "اختیار مستقل" یا "علم محیط" نبوت کے لوازم میں سے نہیں۔ جیسا کہ بعض جہلاء سمجھتے تھے۔ ہاں شرعیات کا علم جو انبیاء علیہم السلام کے منصب سے متعلق ہے کامل ہونا چاہئے، اور تکوینیات کا علم خدا تعالیٰ جس کو جس قدر مناسب جانے عطا فرماتا ہے۔ اس نوع میں ہمارے حضور تمام اولین و آخرین سے فائق ہیں۔ آپ کو اتنے بیشمار علوم و معارف حق تعالیٰ نے مرحمت فرمائے ہیں۔ جن کا احصار کسی مخلوق کی طاقت میں نہیں۔

فوائد صفحہ ہذا۔ ف خدا نے سب انسانوں کو آدمؑ سے پیدا کیا۔ آدمؑ کے انس اور سکون و قرار حاصل کرنے کے لئے اُسی کے اندر سے اُس کا جوڑا (حواؑ) بنایا۔ پھر دونوں سے نسل چلی۔ جب مرد نے عورت سے فطری خواہش پوری کی تو عورت حاملہ ہوئی، حمل کی ابتدائی حالت میں کوئی گرانی نہ تھی۔ عورت حسب معمول چلتی پھرتی اور اٹھتی بیٹھتی رہی۔ جب پیٹ بڑھ گیا، اور یہ کون جان سکتا تھا کہ اُس کے اندر کیا چیز پوشیدہ ہے، تب مرد و عورت دونوں نے حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ اگر آپ اپنے فضل سے بھلا چنگا کار آمد بچہ عنایت فرمائیں گے تو ہم دونوں (بلکہ ہماری نسل بھی) تیرا شکر ادا کرتی رہیگی۔ خدا نے جب اُن کی یہ تمنا پوری کر دی تو ہماری دی ہوئی چیز میں اوروں کے حصے لگانے شروع کر دیئے مثلاً کسی نے عقیدہ جما لیا کہ یہ اولاد فلاں زندہ یا مردہ مخلوق نے ہم کو دی ہے کسی نے اس عقیدہ سے نہیں تو عملاً اُس کی نذر و نیاز شروع کر دی، یا بچہ کی پیشانی اُس کے سامنے ٹیک دی یا بچہ کا نام ایسا رکھا جس سے شرک کا اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً عبد العزیٰ یا عبد الشمس وغیرہ، غرض جو حق منعم حقیقی کا تھا وہ اعتقاداً یا فعلاً یا قولاً دوسروں کو دیدیا گیا۔ خوب سمجھ لو کہ حق تعالیٰ تمام انواع و مراتب شرک سے بالا و برتر ہے۔ ان آیات میں حسن بصری وغیرہ کی رائے کے موافق خاص آدمؑ و حواؑ کا نہیں بلکہ عام انسانوں کی حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ بیشک ابتداءً هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا میں بطور تمہید آدمؑ و حواؑ کا ذکر تھا، مگر اُس کے بعد مطلق مرد و عورت کے ذکر کی طرف منتقل ہو گئے اور ایسا بہت جگہ ہوتا ہے کہ شخص کے ذکر سے جنس کے ذکر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں جیسے وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ جن ستاروں کو "مصابیح" فرمایا ہے وہ ٹوٹنے والے ستارے نہیں۔ جن سے "رجم شیاطین" ہوتا ہے۔ مگر شخص "مصابیح" سے جنس "مصابیح" کی طرف کلام کو منتقل کر دیا گیا۔ اس تفسیر کے موافق "جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ" میں کچھ اشکال نہیں۔ مگر اکثر سلف سے یہی منقول ہے کہ ان آیات میں صرف آدم و حوا کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ کہتے ہیں کہ ابلیس ایک نیک مخلوق کی صورت میں حوا کے پاس آیا اور فریب دیکر اُن سے وعدہ لے لیا کہ اگر لڑکا پیدا ہو تو اُس کا نام عبد الحارث رکھیں حوا نے آدم کو بھی راضی کر لیا۔ اور جب بچہ پیدا ہوا تو دونوں نے عبد الحارث نام رکھا ("حارث" ابلیس کا نام تھا جس سے وہ گروہ ملائکہ میں پکارا جاتا تھا) ظاہر ہے کہ اسمائے اعلام میں لغوی معنی معتبر نہیں ہوتے اور ہوں بھی تو "عبد" کی اضافت "حارث" کی طرف اس کو مستلزم نہیں کہ "حارث" کو معاذ اللہ معبود سمجھ لیا جائے۔ ایک مہمان نواز آدمی کو عرب "عبد الضیف" کہہ دیتے ہیں۔ (یعنی مہمان کا غلام) اُس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ گویا میزبان مہمان کی پوجا کرتا ہے۔ پس اگر "عبد الحارث" نام رکھنے کا یہ واقعہ صحیح ہے تو نہیں کہا جا سکتا کہ آدم علیہ السلام نے معاذ اللہ حقیقۃً شرک کا ارتکاب کیا جو انبیاء کی شان عصمت کے منافی ہے۔ ہاں بچہ کا ایسا غیر موزوں نام رکھنا جس سے بظاہر شرک کی بُو آتی ہو نبی معصوم کی شان رفیع اور جذبۂ توحید کے مناسب نہ تھا۔ قرآن کریم کی عادت ہے کہ انبیائے مقربین کی چھوٹی سی لغزش اور ادنیٰ ترین زلّت کو "حسنات الابرار سیئات المقربین" کے قاعدہ کے مطابق اکثر سخت عنوان سے تعبیر کرتا ہے جیسے یونس علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ یا فرمایا حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا، علیٰ توجیہ بعض المفسرین اسی طرح یہاں بھی آدم علیہ السلام کے رُتبہ کے لحاظ سے اس مُوہم شرک تسمیہ کو تغلیظاً ان الفاظ میں ادا فرمایا۔ جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَاۤ اٰتٰىهُمَا (خدا کی دی ہوئی چیز میں حصہ دار بنانے لگے) یعنی اُن کی شان کے لائق نہ تھا کہ ایسا نام رکھیں جس کی سطح سے شرک کا وہم ہوتا ہے۔ گو حقیقۃً شرک نہیں۔ شاید اسی لئے فَقَدْ اَشْرَكَا وغیرہ مختصر عبارت چھوڑ کر یہ طویل عنوان جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَاۤ اٰتٰىهُمَا اختیار فرمایا۔ واللہ اعلم۔ (تنبیہ) حافظ عماد الدین ابن کثیر نے بتلایا ہے کہ عبد الحارث نام رکھنے کی حدیث مرفوع جو ترمذی میں ہے، وہ تین وجہ سے معلول ہے۔ رہے آثار، وہ غالباً اہل کتاب کی روایات سے ماخوذ ہیں واللہ اعلم۔

ف۲ پہلے ایک طرح کے شرک کا ذکر تھا اُس کی مناسبت سے اِن آیات میں بُت پرستی کا رد فرماتے ہیں یعنی جو کسی کو پیدا نہ کر سکے بلکہ خود تمہارا بنایا ہوا ہو وہ تمہارا خدا یا معبود کیسے بن سکتا ہے۔

ف۱ جن بتوں کو تم نے معبود ٹھہرایا ہے اور خدائی کا حق دیا ہے، وہ تمہارے کام تو کیا آتے، خود اپنی حفاظت پر بھی قادر نہیں اور باوجود مخلوق ہونے کے اُن کمالات سے محروم ہیں جن سے کسی مخلوق کو دوسری پر تفوق و امتیاز حاصل ہو سکتا ہے۔ گو اُن کے ظاہری ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان سب کچھ تم بناتے ہو لیکن اِن اعضاء میں وہ قوتیں نہیں جن سے انہیں اعضاء کہا جا سکے۔ نہ تمہارے پکارنے پر مصنوعی پاؤں سے چل کر آ سکتے ہیں، نہ ہاتھوں سے کوئی چیز پکڑ سکتے ہیں، نہ آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں، نہ کانوں سے کوئی بات سنتے ہیں۔ اگر پکارتے پکارتے تمہارا گلا پھٹ جائے گا تب بھی وہ تمہاری آواز سننے والے اور اس پر چلنے والے یا اُس کا جواب دینے والے نہیں۔ تم اُن کے سامنے چلاؤ یا خاموش رہو، دونوں حالتیں یکساں ہیں۔ نہ اس سے فائدہ نہ اُس سے نفع، تعجب ہے کہ جو چیزیں مملوک و مخلوق ہوتے ہیں تم ہی جیسی عاجز و درماندہ بلکہ وجود و کمالات وجود میں تم سے بھی گئی گذری ہوں انہیں خدا بنا لیا جائے اور جو اس کا رد کرے اُسے نقصان پہنچنے کی دھمکیاں دی جائیں۔ چنانچہ مشرکین مکہ نبی کریم صلعم کو کہتے تھے کہ آپ ہمارے بتوں کی بے ادبی کرنا چھوڑ دیں ورنہ نہ معلوم وہ کیا آفت تم پر نازل کر دیں۔ "وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِن دُونِهِ" (زمر۔ رکوع ۴) اسی کا جواب قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ الخ سے دیا۔ یعنی تم اپنے سب شرکاء کو پکارو اور میرے خلاف اپنے سب منصوبے اور تدبیریں پوری کر لو، پھر مجھ کو ایک منٹ کی مہلت بھی نہ دو۔ دیکھوں تم میرا کیا بگاڑ سکو گے۔

أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۗ قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ
یا اُن کے کان ہیں جن سے سنتے ہیں تو کہہ دے کہ پکارو اپنے شریکوں کو پھر برائی کرو میرے حق میں
فَلَا تُنْظِرُونِ ﴿١٩٥﴾ إِنَّ وَلِيِّيَ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ ۖ وَهُوَ
اور مجھ کو ڈھیل نہ دو ف۱ میرا حمایتی تو اللہ ہے جس نے اتاری کتاب اور وہ
يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ﴿١٩٦﴾ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ
حمایت کرتا ہے نیک بندوں کی ف۲ اور جن کو تم پکارتے ہو اُس کے سوا وہ نہیں کر سکتے
نَصْرَكُمْ وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ﴿١٩٧﴾ وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ
تمہاری مدد اور نہ اپنی جان بچا سکیں اور اگر تم اُن کو پکارو رستہ کی طرف تو
لَا يَسْمَعُوا ۖ وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٩٨﴾ خُذِ
کچھ نہ سنیں اور تو دیکھتا ہے اُن کو کہ تک رہے ہیں تیری طرف اور وہ کچھ نہیں دیکھتے ف۳ عادت کر
الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ﴿١٩٩﴾ وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ
درگذر کی اور حکم کر نیک کام کرنے کا اور کنارہ کر جاہلوں سے اور اگر اُبھارے تجھ کو
مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۚ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٠٠﴾ إِنَّ
شیطان کی چھیڑ تو پناہ مانگ اللہ سے وہی ہے سننے والا جاننے والا ف۴
الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ
جن کے دل میں ڈر ہے جہاں پڑ گیا اُن پر شیطان کا گذر چونک گئے، پھر اُسی وقت اُن کو
مُبْصِرُونَ ﴿٢٠١﴾ وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ ﴿٢٠٢﴾
سُوجھ آجاتی ہے اور جو شیطانوں کے بھائی ہیں وہ اُن کو کھینچتے چلے جاتے ہیں گمراہی میں، پھر وہ کمی نہیں کرتے ف۵
وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا
اور جب تو لے کر نہ جائے اُنکے پاس کوئی نشانی تو کہتے ہیں کیوں نہ چھانٹ لایا تو کچھ اپنی طرف سے، تو کہدے میں تو چلتا ہوں اُس پر جو
يُوحَىٰ إِلَيَّ مِنْ رَبِّي ۚ هَٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ
حکم آئے میری طرف میرے رب سے یہ سُوجھ کی باتیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے

ف۲ یعنی جس نے مجھ پر کتاب نازل کی اور منصب رسالت پر فائز کیا وہ ہی ساری دنیا کے مقابلہ میں میری حمایت و حفاظت کریگا۔ کیونکہ اپنے نیک بندوں کی حفاظت و اعانت وہ ہی کرتا ہے۔

ف۳ یعنی بظاہر آنکھیں بنی ہوئی ہیں، پر اُن میں بینائی کہاں؟

ف۴ خُذِ العَفْوَ کے کئی معنی کئے گئے ہیں۔ اکثر کا حاصل یہ ہے کہ سخت گیری اور تند خوئی سے پرہیز کیا جائے اُسی کو مترجم محقق ؒ نے "درگذر کی عادت" سے تعبیر فرمایا ہے۔ گذشتہ آیات میں بُت پرستوں کی جو تحمیق و تجہیل کی گئی تھی بہت ممکن تھا کہ جاہل مشرکین اُس پر برہم ہو کر کوئی ناشائستہ حرکت کرتے یا بُرا لفظ زبان سے نکالتے، اس لئے ہدایت فرما دی کہ عفو و درگذر کی عادت رکھو، نصیحت کرنے سے مت رکو معقول بات کہتے رہو اور جاہلوں سے کنارہ کرو یعنی اُن کی جہالت آمیز حرکتوں پر روز روز اُلجھنے کی ضرورت نہیں۔ جب وقت آئیگا ذرا سی دیر میں اِن کا سب حساب بے باق ہو جائیگا۔ اور اگر کسی وقت بمقتضائے بشریت اُن کی کسی نالائق حرکت پر غصہ آجائے اور شیطان لعین چاہے کہ دُور سے چھیڑ چھاڑ کر کے آپ کو ایسے معاملہ پر آمادہ کر دے جو خلاف مصلحت ہو یا آپ کے "خُلقِ عظیم" اور حلم و متانت کے شایاں نہ ہو، تو آپ فوراً اللہ سے پناہ طلب کیجئے آپکی عصمت و وجاہت کے سامنے اُس کا کوئی کید نہیں چل سکے گا۔ کیونکہ خداوند قدیر جو ہر مستعیذ کی بات سننے والا اور ہر حالت کا جاننے والا ہے، اُسی نے آپ کی صیانت کا تکفل فرمایا ہے۔

ف۵ پہلے تو تنہا حضورؐ کو خطاب تھا گو حکم استعاذہ میں سب شامل تھے اب عام متقین (خدا ترس پرہیزگاروں) کا حال بیان فرماتے ہیں یعنی عام متقین کے حق میں یہ محال نہیں کہ شیطان کا گذر اُن کی طرف ہو، اور کوئی چرکہ لگا جائے۔ البتہ متقین کی شان یہ ہوتی ہے کہ شیطان کے اغواء سے ممتد غفلت میں نہیں پڑتے بلکہ ذرا غفلت ہوئی اور خدا کو یاد کر کے چونک پڑے ٹھوکر لگی اور معاً سنبھل گئے، سنبھلتے ہی آنکھیں کھل گئیں، غفلت کا پردہ اُٹھ گیا۔ نیکی، بدی کا انجام سامنے نظر آنے لگا اور بہت جلد نازیبا کام سے رُک گئے۔ باقی غیر متقین (جن کے دل میں خدا کا ڈر نہ ہو، اور جنہیں شیطان کی برادری کہنا چاہیئے) اُن کا حال یہ ہے کہ شیاطین ہمیشہ انہیں گمراہی میں کھینچتے چلے جاتے ہیں اور رگیدنے میں ذرا کمی نہیں کرتے۔ اِدھر یہ لوگ اُن کی اقتداء و پیروی میں کوتاہی نہیں کرتے۔ اور اس طرح اُن شیاطین کے غرور و سرکشی کو اور زیادہ بڑھاتے رہتے ہیں۔ بہرحال متقی کی شان یہ ہے کہ جب شیطان دق کرے، فوراً خدا سے پناہ مانگے دیر نہ کرے۔ ورنہ غفلت میں تمادی ہو کر رجوع الی اللہ کی توفیق بھی نہ رہیگی۔

جب کبھی وحی کے آنے میں تاخیر ہوتی، تو کفار ازراہِ تمسخر کہتے تھے کہ اب کوئی آیت کیوں گھڑ کر نہیں لے آتے۔ آخر سارا قرآن تم نے بنایا ہی ہے (العیاذ باللہ) اسی طرح کبھی دق کرنے کے لئے بعض ایسے نشان (معجزات) طلب کرتے جن کے دکھلانے کو خدا کی حکمت مقتضی نہ تھی۔ جب آپ دکھلانے سے انکار کرتے تو کہتے "لولا اجتبیتہا" یعنی اپنے خدا سے کہہ کر ہمارا مانگا ہوا نشان کیوں چھانٹ کر نہ لے آئے۔ دونوں باتوں کے جواب میں فرمایا "قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ" یعنی ان سے کہہ دو کہ (نبی کا یہ کام نہیں کہ اپنی طرف سے خدا پر افترا کرے، یا لوگوں کے کہنے سننے پر اقدام کر کے خدا سے وہ چیز مانگے جس کا دینا اُس کی حکمت کے منافی ہے یا جس کے طلب کرنے کی اجازت نہیں ہے) اُس کا وظیفہ صرف یہ ہے کہ جو کچھ خدا وحی بھیجے قبول کرے، اُس پر عمل پیرا ہو اور دوسروں کو عمل پیرا ہونے کی دعوت دے۔ باقی آیات تنزیلیہ یا تکوینیہ جو مجھ سے طلب کرتے ہو، تو قرآن سے بڑھ کر کونسی آیات ہونگی اور اس سے زیادہ عظیم الشان معجزہ کونسا ہوگا جو سارے جہان کے لئے بصیرت افروز حقایق و مواعظ کا خزانہ اور ایمان لانے والوں کے لئے خاص قسم کی ہدایت و رحمت کا ذخیرہ اپنے اندر رکھتا ہے۔ اسی کو تم کب ماننے کے لئے تیار ہوئے ہو، جو فرمایشی آیات کو تسلیم کرو گے۔ ف۲ جب قرآن ایسی دولت بے بہا اور علم و ہدایت کی کان ہے تو اس کی قرات کا حق سامعین پر یہ ہے کہ پوری فکر و توجہ سے اُدھر کان لگائیں، اس کی ہدایات کو سمع قبول سے سُنیں اور ہر قسم کی بات چیت، شور و شغب اور ذکر و فکر چھوڑ کر ادب کے ساتھ خاموش رہیں تاکہ خدا کی رحمت اور مہربانی کے مستحق ہوں۔ اگر کافر اس طرح قرآن سنے تو کیا بعید ہے کہ خدا کی رحمت سے مشرف بایمان ہو جائے۔ اور پہلے سے مسلمان ہے تو ولی بن جائے یا کم از کم اس فعل کے اجر و ثواب سے نوازا جائے۔ اس آیت سے بہت سے علماء نے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ نماز میں جب امام قرات کرے تو مقتدی کو سُننا اور خاموش رہنا چاہیئے جیسا کہ ابو موسیٰؓ اور ابو ہریرہؓ کی حدیث میں حضورؐ نے فرمایا "وَاِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا" (جب نماز میں امام قرات کرے تو چپ رہو) یہاں اس مسئلہ کی تفصیل کا موقع نہیں۔ صحیح مسلم کی شرح میں ہم نے نہایت شرح و بسط سے اس کے مالہٗ وما علیہ پر بحث کی ہے۔

لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۲۰۳ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا

اُن لوگوں کو جو مومن ہیں ف۱ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُس کی طرف کان لگائے رہو، اور چپ رہو

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۲۰۴ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ

تاکہ تم پر رحم ہو ف۲ اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑاتا ہوا اور

خِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَ

ڈرتا ہوا اور ایسی آواز سے جو کہ پکار کر بولنے سے کم ہو ف۳ صبح کے وقت اور شام کے وقت اور

لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝۲۰۵ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ

مت رہ بے خبر بیشک جو تیرے رب کے نزدیک ہیں وہ تکبر نہیں کرتے

السجدة

عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۝۲۰۶

اُس کی بندگی سے اور یاد کرتے ہیں اُسکی پاک ذات کو اور اُسی کو سجدہ کرتے ہیں ف۴

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ انفال ف۵ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی پچھتر آیتیں اور دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا

تجھ سے پوچھتے ہیں حکم غنیمت کا تو کہہ دے کہ مال غنیمت اللہ کا ہے اور رسول کا سو ڈرو

اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ

اللہ سے اور صلح کرو آپس میں اور حکم مانو اللہ کا اور اسکے رسول کا اگر

مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ

ایمان رکھتے ہو ایمان والے وہی ہیں کہ جب نام آئے اللہ کا تو ڈر جائیں

قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰي رَبِّهِمْ

اُن کے دل اور جب پڑھا جائے اُن پر اس کا کلام تو زیادہ ہو جاتا ہے اُن کا ایمان اور وہ اپنے رب پر

ف۳ بڑا ذکر تو قرآن کریم ہے، اُس کا ادب بیان ہو چکا۔ اب عام "ذکر اللہ" کے کچھ آداب بیان فرماتے ہیں۔ یعنی "ذکر اللہ" کی اصلی روح یہ ہے کہ جو زبان سے کہے دل سے اُس کی طرف دھیان رکھے تاکہ ذکر کا پورا نفع ظاہر ہو اور زبان و دل دونوں عضو خدا کی یاد میں مشغول ہوں۔ ذکر کرتے وقت دل میں رقت ہونی چاہیئے۔ سچی رغبت و رہبت سے خدا کو پکارے۔ جیسے کوئی خوشامد کرنیوالا ڈرا ہوا آدمی کسی کو پکارتا ہے۔ ذاکر کے لہجہ میں آواز میں اور ہیئت میں تضرع و خوف کا رنگ محسوس ہونا چاہیئے۔ ذکر و مذکور کی عظمت و جلال سے آواز کا پست ہونا قدرتی چیز ہے "وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا"۔ اسی لئے زیادہ چلانے کی ممانعت آئی ہے۔ دھیمی آواز سے سراً یا جہراً خدا کا ذکر کرے تو خدا اُس کا ذکر کریگا۔ پھر اس سے زیادہ عاشق کی خوش بختی اور کیا ہو سکتی ہے۔

ف۴ یعنی رات دن خصوصاً صبح و شام کے اوقات میں اُس کی یاد سے غافل مت رہ۔ جب مقرب فرشتوں کو اُس کی بندگی سے عار نہیں، بلکہ ہمہ وقت اسی کی یاد میں لگے رہتے ہیں، اُسی کو سجدہ کرتے ہیں، تو انسان کو اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ اُس کے ذکر و عبادت و سجود سے غافل نہ رہے۔ چنانچہ اس آیت پر بھی سجدہ کرنا چاہیئے۔

ف۵ یہ سورۃ مدنی ہے، جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی۔ مکہ کی سیزدہ[13] سالہ زندگی میں مشرکین نے جو دردناک اور ہوش ربا مظالم مٹھی بھر مسلمانوں پر روا رکھے اور مظلوم مسلمانوں نے جس صبر و استقلال اور معجز نما استقامت و للّٰہیت سے مسلسل تیرہ برس تک اُن ہولناک مصائب و نوائب کا تحمل کیا، وہ دنیا کی تاریخ کا بیمثال واقعہ ہے۔ قریش اور اُن کے حامیوں نے کوئی صورت ظلم و ستم کی اُٹھا کر نہ رکھی۔ تاہم مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے اُن وحشی ظالموں کے مقابلہ میں ہاتھ اُٹھانے کی اجازت نہ دی۔ صبر و تحمل کے امتحان کی آخری حد یہ تھی کہ مسلمان مقدس وطن، عزیز و اقارب، اہل و عیال مال و دولت سب چیزوں کو خیرباد کہہ کر خالص خدا اور رسُول کی خوشنودی کا راستہ طے کرنے کے لئے گھروں سے نکل پڑے۔ جب مشرکین کا ظلم و تکبر اور مسلمانوں کی مظلومیت و بیکسی حد سے گذر گئی۔ ادھر اہل ایمان کے قلوب وطن و قوم، زن و فرزند، مال و دولت غرض ہر ایک "ماسوی اللہ" کے تعلق سے خالی اور پاک ہو کر محض خدا و رسُول کی محبت اور دولتِ توحید و اخلاص سے ایسے بھرپور ہو گئے کہ گویا غیر اللہ کی اُن میں گنجائش ہی نہ رہی۔ تب اُن مظلوموں کو جو تیرہ[13] برس سے برابر کفار کے ہر قسم کے حملے سہ رہے تھے اور وطن چھوڑنے پر بھی امن حاصل نہ کر سکے تھے، ظالموں سے لڑنے اور بدلہ لینے کی اجازت دی گئی۔ "اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ" (الحج رکوع ۶) مکہ کا ادب مانع تھا کہ مسلمان ابتداءً وہاں چڑھ کر جائیں اس لئے ہجرت کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال تک لائحہ عمل یہ رہا کہ مشرکین "مکہ" کے تجارتی سلسلوں کو جو شام و یمن وغیرہ سے قائم تھے، شکست دے کر ظالموں کی اقتصادی حالت کمزور اور مسلمانوں کی مالی پوزیشن مضبوط کی جائے۔ ہجرت کے پہلے سال "ابواء"، "بواط"، "عُشیرہ" وغیرہ چھوٹے چھوٹے غزوات دسرایا جن کی تفصیل کتب احادیث و سِیَر میں ہے، اسی سلسلہ میں وقوع پذیر ہوئے۔ ۲ سنہ ہجری میں آپ کو معلوم ہوا کہ ایک بھاری تجارتی مہم ابوسفیان کی سرکردگی میں شام کو روانہ ہوئی ہے۔ ابوسفیان کا یہ تجارتی قافلہ جس کے ساتھ تقریباً ساٹھ قریشی، ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار کا مال تھا، جب شام سے مکہ کو واپس ہوا تو نبی کریم صلعم کو خبر پہنچی، صحیح مسلم کی ایک روایت کے موافق آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ لیا کہ آیا اس جماعت سے تعرض کیا جائے، طبری کے بیان کیموافق

(باقی صفحہ ۲۳۵)

يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۲ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳

بھروسہ رکھتے ہیں — وہ لوگ جو کہ قائم رکھتے ہیں نماز کو — اور ہمنے جو انکو روزی دی ہے اُسمیں سے خرچ کرتے ہیں

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ

وہی ہیں سچے ایمان والے — اُن کے لئے درجے ہیں اپنے رب کے پاس — اور معافی

وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۴ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَ

اور روزی عزت کی ف۱ — جیسے نکالا تجھ کو تیرے ربنے تیرے گھر سے حق کام کے واسطے — اور

اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝۵ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ

ایک جماعت اہل ایمان کی — راضی نہ تھی — وہ تجھ سے جھگڑتے تھے — حق بات میں

بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶

اُس کے ظاہر ہو چکنے کے بعد — گویا وہ ہانکے جاتے ہیں — موت کی طرف — آنکھوں دیکھتے ف۲

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ

اور جس وقت تم سے وعدہ کرتا تھا اللہ دو جماعتوں میں سے ایک کا — کہ وہ تمہارے ہاتھ لگے گی اور تم چاہتے تھے — کہ

غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ

جس میں کانٹا نہ لگے — وہ تم کو ملے — اور اللہ چاہتا تھا — کہ سچا کردے — سچ کو

بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۷ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ

اپنے کلاموں سے — اور کاٹ ڈالے جڑ — کافروں کی — تاکہ سچا کرے سچ کو — اور جھوٹا کردے

الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ

جھوٹ کو — اور اگرچہ ناراض ہوں گنہگار ف۳ — جب تم لگے فریاد کرنے — اپنے رب سے

فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝۹

تو وہ پہنچا تمہاری فریاد کو — کہ میں مدد کو بھیجوں گا تمہاری — ہزار فرشتے — لگاتار آنے والے

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَ

اور یہ تو دی اللہ نے — فقط خوشخبری — اور تاکہ مطمئن ہو جائیں — اس سے تمہارے دل — اور

بقیہ فوائد صفحہ ۲۳۴ - بہت سے لوگوں نے اس مہم میں جانے سے پہلو تہی کی کیونکہ انہیں کسی بڑی جنگ کا خطرہ نہ تھا جس کے لئے بڑا اجتماع و اہتمام کیا جائے۔ دوسرے "انصار" کی نسبت عموماً یہ بھی خیال کیا جاتا تھا کہ انہوں نے رسُول اللہ صلعم سے نصرت و حمایت کا معاہدہ صرف اُس صورت میں کیا ہے کہ کوئی قوم مدینہ پر چڑھائی کرے یا آپ پر حملہ آور ہو۔ ابتدائً اقدام کر کے جانا خواہ کسی صورت میں ہو اُن کے معاہدہ میں شامل نہ تھا مجمع کا یہ رنگ دیکھکر ابوبکرؓ و عمرؓ اور رئیس انصار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم نے حوصلہ افزا تقریریں کیں۔ آخر حضورؐ تین سو سے کچھ زائد آدمیوں کی جمعیت لیکر قافلہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ چونکہ کسی بڑے مسلح لشکر سے مڈبھیڑ ہونے کی توقع نہ تھی۔ اس لئے جمعیت اور سامان اسلحہ وغیرہ کا زیادہ اہتمام نہیں کیا گیا۔ فی الوقت جو لوگ اکٹھے ہو گئے سرسری سامان کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اسی لئے بخاری کی روایت میں حضرت کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ "جو لوگ غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے اُن پر کوئی عتاب نہیں ہوا، کیونکہ حضورؐ صرف تجارتی مہم کے ارادے سے نکلے تھے۔ اتفاقاً خدا نے باقاعدہ جنگ کی صورت پیدا فرمادی"۔ ابوسفیان کو آپکے ارادہ کا پتہ چل گیا۔ اُس نے فوراً مکہ آدمی بھیجا۔ وہاں سے تقریبًا ایک ہزار کا لشکر جس میں قریش کے بڑے بڑے سردار تھے، پورے ساز و سامان کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ حضورؐ مقام صفراء میں تھے جب معلوم ہوا کہ ابوجہل وغیرہ بڑے بڑے ائمۃ الکفر کی کمانڈ میں مشرکین کا لشکر یلغار کرتا چلا آ رہا ہے اس غیر متوقع صورت کے پیش آجانے پر آپؐ نے صحابہؓ کو اطلاع کی کہ اس وقت دو جماعتیں تمہارے سامنے ہیں۔ تجارتی قافلہ اور فوجی لشکر، خدا کا وعدہ ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک پر تم کو مسلّط کریگا۔ تم بتلاؤ کہ کس جماعت کی طرف بڑھنا چاہتے ہو؟ چونکہ اس لشکر کے مقابلہ میں تیاری کر کے نہ آئے تھے اس لئے اپنی تعداد اور سامان وغیرہ کی قلت کو دیکھتے ہوئے بعض لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا زیادہ مفید اور آسان ہے۔ مگر حضورؐ اس رائے سے خوش نہ تھے۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور مقداد بن الاسود نے ولولہ انگیز جوابات دئے اور اخیر میں حضرت سعد بن معاذ کی تقریر کے بعد یہی فیصلہ ہوا کہ فوجی مہم کے مقابلہ پر جوہر شجاعت دکھلائے جائیں۔ چنانچہ مقام بدر میں دونوں فوجیں بھڑ گئیں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عظیم عنایت فرمائی۔ کافروں کے ستر بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ستر قید ہوئے۔ اس طرح کفر کا زور ٹوٹا اس سورۃ میں عموماً اسی واقعہ کے اجزاء و متعلقات کا بیان ہوا ہے۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس سفر میں حضورؐ شروع ہی سے فوجی لشکر کے مقابلہ میں نکلے تھے جو "مدینہ" پر از خود اقدام کرتا ہوا چلا آرہا تھا، تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے کی نیت آپنے اول سے آخر تک کسی وقت نہیں کی۔ وہ فی الحقیقۃ اپنے ایک خود ساختہ اصول پر تمام ذخیرۂ حدیث و سیر اور اشارات قرآنیہ کو قربان کرنا چاہتے ہیں۔ یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ کفار محاربین جن کی دستبرد سے مسلمانوں کی جان و مال کوئی چیز نہ بچی اور نہ آیندہ بچنے کی توقع تھی، اُن کو جانی و بدنی نقصان پہنچانا تو جائز سمجھا جائے لیکن تجارتی اور مالی نقصان پہنچانا خلاف تہذیب و انسانیت ہو یعنی اُن کی جانیں تو ظلم و شرارت اور کفر و طغیان کی بدولت محفوظ نہیں رہیں مگر اموال بدستور محفوظ ہیں گویا زندگی کے حق سے محروم ہو جائیں تو ہو جائیں، پر سامان زندگی سے محروم نہ ہوں۔ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ۔ باقی یہ دعویٰ کہ جو لوگ حملہ آور نہ ہوئے ہوں، اُن پر مسلمانوں کو از خود حملہ کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ کے خلاف ہوگا۔ قطع نظر اس سے کہ یہ مسئلہ موجودہ واقعہ سے بے تعلق ہے، کیونکہ کفار مکہ پہلے ہر قسم کے مظالم اور حملے مسلمانوں پر کر چکے تھے اور آیندہ کے لئے باقاعدہ دھمکیاں دے رہے تھے بلکہ اس بارہ میں ان کی سازشیں اور مراسلتیں جاری تھیں۔ فی نفسہٖ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ آیت ابتدائے ہجرت میں اتری تھی جس کے بعد دوسری آیات جن میں مطلق قتال کا حکم ہے نازل ہوئیں۔ پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ صرف اتنا کہنے سے کہ حملہ آوروں کی مدافعت کرو" یہ لازم نہیں آتا کہ کسی حالت میں حملہ کرنے کی اجازت نہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل میرے عزیز مولوی محمد یحییٰ سلمہٗ نے جو تحریر فوائد میں میرے معین ہیں اپنے رسالہ "الجہاد الکبیر" میں لکھی ہے۔ اور احقر نے کچھ خلاصہ رسالہ "الشہاب" میں درج کیا ہے اور موقع بہ موقع فوائد میں بھی لکھا جائیگا۔ انشاء اللہ!

فوائد صفحہ ہذا - ف۱ "بدر" میں جو مال غنیمت ہاتھ آیا اُسکے متعلق صحابہؓ میں نزاع تھی۔ نوجوان جو آگے بڑھ کر لڑے تھے وہ کل مال غنیمت کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ پُرانے لوگ جو نوجوانوں کی پشت پر تھے، اُن کا یہ کہنا تھا کہ ہمارے سہارا لگانے سے فتح ہوئی۔ لہٰذا غنیمت ہم کو ملنی چاہیئے۔ ایک جماعت جو نبی اکرم صلعم کی حفاظت کرتی رہی تھی وہ اپنے کو اس مال کا مستحق سمجھتی تھی۔ ان آیات میں بتلادیا کہ فتح صرف اللہ کی مدد سے ہے کسی کا سہارا اور زور پیش نہیں جاتا۔ سو مال کا مالک خدا ہے پیغمبر اسکے نائب ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی معرفت حکم دے، اسی کے موافق غنیمت تقسیم ہونی چاہیئے (اس حکم کی تفصیل آگے آئیگی) پکے مسلمانوں کا کام یہ ہے کہ ہر معاملہ میں خدا سے ڈریں۔ آپس میں صلح و آشتی سے رہیں، ذرا ذرا سی بات پر جھگڑے نہ ڈالیں، اپنی آراء و جذبات سے قطع نظر کر کے محض خدا اور رسول کا حکم مانیں، جب خدا کا نام درمیان میں آجائے، ہیبت و خوف سے کانپ اُٹھیں، آیات و احکام الٰہی سُن کر اُن کا ایمان و یقین زیادہ مضبوط ہوتا رہے۔ اس قدر مضبوط و قوی ہو جائے کہ ہر معاملہ میں اُن کا اصلی بھروسہ اور اعتماد بجز خدا کے کسی پر باقی نہ رہے۔ اُسی کے سامنے سر عبودیت جھکائیں، اُسی کے نام پر مال و دولت خرچ کریں۔ غرض عقیدہ، خلق، عمل اور مال ہر چیز سے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش میں رہیں۔ ایسے ہی لوگوں کو سچا اور پکا ایماندار کہا جاسکتا ہے جو خدا کے یہاں اپنے اپنے درجہ کے موافق بڑے بڑے مقامات و مراتب قرب پر فائز ہونگے جنہیں معمولی کوتاہیوں سے درگذر کر کے عزت کی روزی سے سرفراز کیا جائیگا۔

ع ۱۵

مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۚ﴿۱۰﴾ اِذْ

مدد نہیں مگر اللہ کی طرف سے بیشک اللہ زور آور ہے حکمت والا وا جس وقت کہ

یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَۃً مِّنْہُ وَیُنَزِّلُ عَلَیْکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ

ڈالدی اُس نے تم پر اُونگھ اپنی طرف سے تسکین کے واسطے اور اتارا تم پر آسمان سے

مَآءً لِّیُطَھِّرَکُمْ بِہٖ وَیُذْھِبَ عَنْکُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَ

پانی کہ اُس سے تم کو پاک کر دے اور دُور کر دے تم سے شیطان کی نجاست اور

لِیَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ وَیُثَبِّتَ بِہِ الْاَقْدَامَ ؕ﴿۱۱﴾ اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ

مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور جمادے اُس سے تمہارے قدم وٓ جب حکم بھیجا تیرے رب نے

اِلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِیْ فِیْ

فرشتوں کو کہ میں ساتھ ہوں تمہارے، سو تم دل ثابت رکھو مسلمانوں کے میں ڈال دونگا

قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ

دل میں کافروں کے دہشت سو مارو گردنوں پر

وَاضْرِبُوْا مِنْھُمْ کُلَّ بَنَانٍ ؕ﴿۱۲﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ شَآقُّوا اللّٰہَ وَ

اور کاٹو اُن کی پور پور یہ اس واسطے ہے کہ وہ مخالف ہوئے اللہ کے اور

رَسُوْلَہٗ ۚ وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ

اُس کے رسُول کے، اور جو کوئی مخالف ہوا اللہ کا اور اُسکے رسول کا تو بیشک اللہ کا عذاب

الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِکُمْ فَذُوْقُوْہُ وَاَنَّ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

سخت ہے یہ تو تم چکھ لو اور جان رکھو کہ کافروں کے لئے ہے عذاب دوزخ کا وٓ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا

اے ایمان والو! جب بھڑو تم کافروں سے میدان جنگ میں

فَلَا تُوَلُّوْھُمُ الْاَدْبَارَ ۚ﴿۱۵﴾ وَمَنْ یُّوَلِّھِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَہٗٓ

تو مت پھیرو اُن سے پیٹھ وٓ اور جو کوئی اُن سے پھیرے پیٹھ اُس دن

بقیہ فوائد صفحہ ۲۳۵ - رزقنا اللہ منہ بفضلہ ومنہ۔ **وٓ** یعنی سوچو کہ اس جنگ (بدر) میں شروع سے آخر تک کس طرح حق تعالیٰ کی تحریک وتائید اور امداد و توفیق مسلمانوں کے حق میں کار فرما رہی خدا ہی تھا جو نصرت دین اسلام کے حق (سچے) وعدے کر کے اپنے نبی کو ایک امر حق یعنی کفار کے ساتھ جہاد کرانے کے لئے مدینہ سے باہر بدر کے میدان میں اُس وقت لے آیا۔ جبکہ ایک جماعت مسلمانوں کی لشکر قریش سے نبرد آزمائی کرنے پر راضی نہ تھی۔ یہ لوگ ایسی سچی اور طے شدہ چیز میں پس وپیش کر رہے اور حجتیں نکال رہے تھے جس کی نسبت بذریعہ پیغمبر انہیں ظاہر ہو چکا تھا کہ وہ یقیناً خدا کی فرمائی ہوئی اٹل بات ہے (یعنی اسلام و پیروانِ اسلام کا بذریعہ جہاد غالب و منصور ہونا) ابوجہل کے لشکر سے مقابلہ کرنا اُن کو اس قدر شاق اور گراں تھا جیسے کسی شخص کو آنکھوں دیکھتے موت کے منہ میں جانا مشکل ہے۔ تاہم خدا اپنی توفیق سے اُن کو میدان جنگ میں لے گیا اور اپنی امداد سے مظفر و منصور واپس لایا۔ پس جیسے خدا ہی کی مدد سے از اوّل تا آخر یہ مہم سر ہوئی، مال غنیمت بھی اسی کا سمجھنا چاہئے وہ اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے جہاں بتلائے وہاں خرچ کرو۔ (تنبیہ) کَمَآ اَخْرَجَکَ الخ کے کاف کو میں نے اپنی تقریر میں صرف تشبیہ کے لئے نہیں لیا، بلکہ ابوحیان کی تحقیق کے موافق معنی تعلیل پر مشتمل رکھا ہے جیسے وَاذْکُرُوْہُ کَمَا ھَدٰکُمْ میں علماء نے تصریح کی ہے۔ اور اَخْرَجَکَ رَبُّکَ مِنْ بَیْتِکَ الی آخر الآیات کے مضمون کو میں نے اَلْاَنْفَالُ لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ کا ایک سبب قرار دیا ہے۔ ابوحیان کی طرح "اَعَزَّکَ اللّٰہُ" وغیرہ مقدر نہیں مانا۔ نیز تقریر آیت میں صاحب "روح المعانی" کی تصریح کے موافق اشارہ کر دیا ہے کہ "اَخْرَجَکَ رَبُّکَ مِنْ بَیْتِکَ" میں صرف آنِ خروج من البیت مراد نہیں۔ بلکہ خروج من البیت سے دخول فی الجہاد تک کا ممتد اور وسیع زمانہ مراد ہے۔ جس میں "وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَکٰرِھُوْنَ یُجَادِلُوْنَکَ فِی الْحَقِّ" وغیرہ سب احوال کا وقوع ہوا۔ ایک فریق کی کراہیت تو عین خروج من المدینہ ہی کے وقت ظاہر ہو گئی جسے ہم صحیح مسلم اور طبری کے حوالہ سے سورۃ الانفال کے پہلے فائدہ میں بیان کر چکے ہیں اور مجادلہ کی صورت غالباً آگے چل کر لشکر کی اطلاع ملنے پر مقام صفرا میں پیش آئی۔ اس کے سمجھ لینے سے بعض مبطلین کے مغالطات کا استیصال ہو جائیگا۔

وٓ مسلمان چاہتے تھے کہ "تجارتی قافلہ" پر حملہ ہو، کہ کانٹا نہ چبھے اور بہت سا مال ہاتھ آجائے لیکن خدا کی مرضی یہ تھی کہ اس چھوٹی سی بے سر و سامان جماعت کو کثیر التعداد اور مرتب و پُر شوکت لشکر سے بھڑا کر اپنی باتوں سے سچ کو سچ کر دکھائے اور کفار مکہ کی جڑ کاٹ ڈالے۔ تاکہ اس طرح اُس کے وعدوں کی سچائی حیرت انگیز طریقہ پر ظاہر ہو کر سچ کا سچ اور جھوٹ کا جھوٹ ہونا کفار کے علی الرغم صاف صاف آشکارا ہو جائے۔ چنانچہ یہ ہی ہوا۔ بدر میں قریش کے ستر سردار مارے گئے جن میں ابوجہل بھی تھا۔ اور ستر ہی قید ہوئے۔ اس طرح کفر کی کمر ٹوٹ گئی اور مشرکین مکہ کی بنیادیں ہل گئیں۔ فللّٰہ الحمد والمنّہ۔

فوائد صفحہ ہذا - وا اسی طرح کی آیت "آل عمران" پارہ "لن تنالوا" کے رُبع پر گزر چکی۔ وہاں کے فوائد ملاحظہ کئے جائیں۔ البتہ اُس جگہ فرشتوں کی تعداد تین سے پانچ ہزار تک بیان کی گئی تھی اگر واقعہ ایک ہے تو کہا جائیگا کہ اول ایک ہزار کا دستہ آیا ہو گا۔ پھر اُس کے پیچھے دوسرے دستے آئے ہوں، جن کی تعداد تین سے پانچ ہزار تک پہنچی۔ شاید لفظ "مردفین" میں اسی طرف اشارہ ہو۔

وٓ "بدر کا معرکہ فی الحقیقت مسلمانوں کے لئے بہت ہی سخت آزمائش اور عظیم الشان امتحان کا موقع تھا۔ وہ تعداد میں تھوڑے تھے، بے سر و سامان تھے، فوجی مقابلہ کے لئے تیار ہو کر نہ نکلے تھے، مقابلہ پر اُن سے تگنی تعداد کا لشکر تھا۔ جو پورے ساز و سامان سے کبر و غرور کے نشہ میں سرشار ہو کر نکلا تھا۔ مسلمانوں اور کافروں کی یہ پہلی ہی قابل ذکر ٹکر تھی، پھر صورت ایسی پیش آئی کہ کفار نے پہلے سے اچھی جگہ اور پانی وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ مسلمان نشیب میں تھے، ریت بہت زیادہ تھی جس میں چلتے ہوئے پاؤں دھنستے تھے، گرد و غبار نے الگ پریشان کر رکھا تھا۔ پانی نہ ملنے سے ایک طرف غسل و وضوء کی تکلیف، دوسری طرف تشنگی ستا رہی تھی۔ یہ چیزیں دیکھ کر مسلمان ڈرے کہ بظاہر آثار شکست کے ہیں شیطان نے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ اگر واقعی تم خدا کے مقبول بندے ہوتے تو ضرور تائید ایزدی تمہاری طرف ہوتی اور ایسی پریشان کن اور یاس انگیز صورت حال پیش نہ آتی۔ اُس وقت حق تعالیٰ نے قدرت کاملہ سے زور کا مینہ برسایا جس سے میدان کی ریت جم گئی، غسل و وضوء کرنے اور پینے کے لئے پانی کی افراط ہو گئی، گرد و غبار سے نجات ملی۔ کفار کا لشکر جس جگہ تھا وہاں کیچڑ اور پھسلن سے چلنا پھرنا دشوار ہو گیا۔ جب یہ ظاہری پریشانیاں دُور ہوئیں تو حق تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک قسم کی غنودگی طاری کر دی۔ آنکھ کھلی تو دلوں سے سارا خوف و ہراس جاتا رہا بعض روایات میں ہے کہ حضورؐ اور ابوبکر صدیقؓ رات بھر "عریش" میں مشغول دعا رہے۔ اخیر میں حضورؐ پر خفیف سی غنودگی طاری ہوئی، جب اُس سے چونکے تو فرمایا خوش ہو جاؤ کہ جبریل تمہاری مدد کو آرہے ہیں۔ عریش سے باہر تشریف لائے تو سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ زبان مبارک پر جاری تھا۔ بہرحال اُس بارانِ رحمت نے بدن کو احداث سے اور دلوں کو شیطان کے وساوس سے پاک کر دیا اِدھر ریت کے جم جانے سے ظاہری طور پر قدم جم گئے اور اندر سے ڈر نکل کر دل مضبوط ہو گئے۔ **وٓ** جنگ بدر کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس معرکہ میں خود ابلیس لعین کنانہ کے سردار اعظم سُراقہ بن مالک مدلجی کی صورت میں متمثل ہو کر ابوجہل کے پاس آیا اور مشرکین کے خوب دل بڑھائے کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا، میں اور میرا سارا قبیلہ تمہارے ساتھ ہے ابلیس کے جھنڈے تلے بڑا بھاری لشکر شیاطین کا تھا۔ یہ واقعہ آگے آئیگا۔ اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی کمک پر شاہی فوج کے دستے جبریل و میکائیل کی کمان میں یہ کہہ کر بھیجے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ (اگر شیاطین آدمیوں کی

(باقی صفحہ ۲۳۷)

بقیہ فوائد صفحہ ۲۳۶ - صورت میں مُتشکل ہو کر کفار کے حوصلے بڑھا رہے ہیں اور اُن کی طرف سے لڑنے کو تیار ہیں اور مسلمانوں کے قلوب کو وسوسے ڈال کر خوفزدہ کر رہے ہیں تو تم مظلوم و ضعیف مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کرو - اِدھر تم اُن کی ہمت بڑھاؤ گے اُدھر میں کفار کے دلوں میں دہشت اور رُعب ڈال دونگا - تم مسلمانوں کے ساتھ ہو کر ان ظالموں کی گردنیں مارو اور پور پور کاٹ ڈالو - کیونکہ آج ان سب جنّی و انسی کافروں نے مل کر خدا اور رسُول سے مقابلہ کی ٹھہرائی ہے - سو انہیں معلوم ہو جائے کہ خدا کے مخالفوں کو کیسی سخت سزا ملتی ہے - آخرت میں جو سزا ملیگی اصل تو وہ ہی ہے لیکن دنیا میں بھی اُس کا تھوڑا سا نمونہ دیکھ لیں اور عذابِ الٰہی کا کچھ مزہ چکھ لیں - روایات میں ہے کہ بدر میں ملائکہ کو لوگ آنکھوں سے دیکھتے تھے اور اُن کے مارے ہوئے کفار کو آدمیوں کے قتل کئے ہوئے کفار سے الگ شناخت کرتے تھے - خدا تعالیٰ نے یہ ایک نمونہ دکھا دیا کہ اگر کبھی شیاطین الجن والانس ایسے غیر معمولی طور پر حق کے مقابل جمع ہو جائیں تو وہ اہلِ حق اور مقبول بندوں کو ایسے غیر معمولی طریقہ سے فرشتوں کی کمک پہنچا سکتا ہے - باقی ویسے تو فتح و غلبہ بلکہ ہر چھوٹا بڑا کام خدا ہی کی مشیت و قدرت سے انجام پاتا ہے - اُسے نہ فرشتوں کی احتیاج ہے نہ آدمیوں کی، اور اگر فرشتوں ہی سے کوئی کام لے تو اُن کو وہ طاقت بخشی ہے کہ تنہا ایک فرشتہ بڑی بڑی بستیوں کو اٹھا کر پٹک سکتا ہے یہاں تو عالم تکلیف و اسباب میں ذرا سی تنبیہ کے طور پر شیاطین کی غیر معمولی دوڑ دھوپ کا جواب دینا تھا اور بس -

اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ

مگر یہ کہ ہنر کرتا ہو لڑائی کا یا جا ملتا ہو فوج میں سو وہ پھرا اللہ کا غضب

مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٦﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ

لے کر اور اُس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا بُرا ٹھکانا ہے ف۱ سو تم نے انکو نہیں مارا

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

لیکن اللہ نے اُن کو مارا اور تُو نے نہیں پھینکی مٹھی خاک کی جس وقت کہ پھینکی تھی لیکن اللہ نے

رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

پھینکی اور تا کہ کرے ایمان والوں پر اپنی طرف سے خوب احسان بیشک اللہ ہے

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٧﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٨﴾

سننے والا جاننے والا ف۲ یہ تو ہو چکا اور جان رکھو کہ اللہ سُست کر دیگا تدبیر کافروں کی ف۳

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ

اگر تم چاہتے ہو فیصلہ تو پہنچ چکا تمہارے پاس فیصلہ اور اگر باز آؤ تو تمہارے لئے بہتر ہے

وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ

اور اگر پھر یہی کرو گے تو ہم بھی پھر یہی کرینگے اور کچھ کام نہ آئیگا تمہارے تمہارا جتھا اگرچہ

كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٩﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا

بہت ہوں اور جان لو کہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے ف۴ اے ایمان والو!

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿٢٠﴾ ۚ ۖ

حکم مانو اللہ کا اور اُسکے رسُول کا اور اُس سے مت پھرو سُن کر ف۵

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿٢١﴾ اِنَّ

اور اُن جیسے مت ہو جنہوں نے کہا ہم نے سُن لیا اور وہ سنتے نہیں ف۶ بیشک

شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٢٢﴾

سب جانداروں میں بدتر اللہ کے نزدیک وہی بہرے گونگے ہیں جو نہیں سمجھتے ف۷

ف۴ "فرار من الزحف" (جہاد میں سے نکل کر بھاگنا اور لڑائی میں کفار کو پیٹھ دکھانا) بہت سخت گناہ اکبر الکبائر میں سے ہے اگر کافر تعداد میں مسلمانوں سے دُگنے ہوں اُس وقت تک فقہار نے پیٹھ پھیرنے کی اجازت نہیں دی۔

فوائد صفحہ ہذا - ف۱ یعنی اگر پسپائی کسی جنگی مصلحت سے ہو، مثلاً پیچھے ہٹ کر حملہ کرنا زیادہ مؤثر ہے یا ایک جماعت سپاہیوں کی مرکزی فوج سے جُدا ہو گئی وہ اپنے بچاؤ کے لئے پسپا ہو کر مرکز سے ملنا چاہتی ہے، تو ایسی پسپائی جرم نہیں - گناہ اُس وقت ہے جبکہ پسپائی محض لڑائی سے جان بچا کر بھاگنے کی نیّت سے ہو -

ف۲ جب جنگ کی شدت ہوئی تو حضورؐ نے ایک مٹھی کنکریاں لشکر کفار کی طرف پھینکیں اور تین مرتبہ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ فرمایا - خدا کی قدرت سے کنکریوں کے ریزے ہر کافر کی آنکھ میں پہنچے، وہ سب آنکھیں ملنے لگے اِدھر سے مسلمانوں نے فوراً دھاوا بول دیا - آخر بہت سے کفار کھیت رہے، اُسی کو فرماتے ہیں کہ گو بظاہر کنکریاں تم نے اپنے ہاتھ سے پھینکی تھیں لیکن کسی بشر کا یہ فعل عادۃً ایسا نہیں ہو سکتا کہ مٹھی بھر کنکریاں ہر سپاہی کی آنکھ میں پڑ کر ایک مسلح لشکر کی ہزیمت کا سبب بن جائیں، یہ صرف خدائی ہاتھ تھا جس نے مٹھی بھر سنگریزوں سے فوجوں کے منہ پھیر دیئے، تم بے سرو سامان قلیل التعداد مسلمانوں میں اتنی قدرت کہاں تھی کہ محض تمہارے زور بازو سے کافروں کے ایسے ایسے مُنڈ مارے جاتے، یہ تو خدا ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اُس نے ایسے متکبر سرکشوں کو فنا کے گھاٹ اُتارا، ہاں یہ ضرور ہے کہ بظاہر کام تمہارے ہاتھوں سے لیا گیا اور اُن میں وہ فوق العادۃ قوت پیدا کر دی جسے تم اپنے کسب و اختیار سے حاصل نہ کر سکتے تھے، یہ اس لئے کیا گیا کہ خدا کی قدرت ظاہر ہو اور مسلمانوں پر پوری مہربانی اور خوب طرح احسان کیا جائے - بیشک خدا مومنین کی دعا، و فریاد کو سنتا اور ان کے افعال و احوال کو بخوبی جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ مقبول بندوں پر کس وقت کس عنوان سے احسان کرنا مناسب ہے -

ف۳ یعنی اسوقت بھی خدا نے کفارِ مکہ کے سب منصوبے خاک میں ملا دیئے - اور آئندہ بھی اُن کی تدبیروں کو سُست کر دیا جائیگا -

ف۴ یہ خطاب کفارِ مکہ کو ہے، وہ ہجرت سے پہلے حضورؐ سے کہا کرتے تھے مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ - یعنی ہمارے تمہارے درمیان یہ فیصلہ کب ہوگا؟ سو پورا فیصلہ تو قیامت کے دن ہوگا مگر ایک طرح کا فیصلہ آج میدانِ بدر میں بھی تم نے دیکھ لیا کہ کیسے خارق عادت طریق سے تم کو کمزور مسلمانوں کے ہاتھوں سے سزا ملی - اب اگر نبی علیہ السلام کی مخالفت اور کفر و شرک سے باز آجاؤ تو تمہارے لئے دنیا و آخرت کی بہتری ہے - ورنہ اگر پھر اسی طرح لڑائی کرو گے تو ہم بھی پھر اسی طرح مسلمانوں کی مدد کرینگے اور انجام کار تم ذلیل و خوار ہو گے - جب خدا کی تائید مسلمانوں کے ساتھ ہے تو تمہارے جتھے اور جماعتیں خواہ کتنی ہی تعداد میں ہوں کچھ کام نہ آئیں گے بعض روایات میں ہے کہ ابوجہل وغیرہ نے مکہ سے روانگی کے وقت کعبہ کے پردے پکڑ کر دعا کی تھی کہ خداوندا! دونوں فریق میں جو اعلیٰ و اکرم ہو اُسے فتح دے اور فساد مچانے والے کو مغلوب کر فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ میں اُس کا بھی جواب ہو گیا کہ جو واقعی "اعلیٰ و افضل" تھے، اُن کو فتح مل گئی اور مفسد ذلیل و رسوا ہوئے - ف۵ پہلے فرمایا تھا کہ "اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے" اب ایمان والوں کو ہدایت فرماتے ہیں کہ اُن کا معاملہ خدا اور رسُول کے ساتھ کیسا ہونا چاہئے؟ جس سے وہ خدا کی نصرت و حمایت کے مستحق ہوں - سو بتلا دیا کہ ایک مومن صادق کا کام یہ ہے کہ وہ ہمہ تن خدا اور رسُول کا فرمانبردار ہو - احوال و حوادث خواہ کتنا ہی اُس کا منہ پھیرنا چاہیں مگر خدا کی باتوں کو جب وہ سُن کر سمجھ چکا اور تسلیم کر چکا، تو قولاً و فعلاً کسی حال اُن سے منہ نہ پھیرے - ف۶ یعنی زبان سے کہتے ہیں کہ ہم نے سُن لیا حالانکہ وہ سننا ہی کیا جو آدمی سیدھی سی بات کو سُن کر سمجھے نہیں - یا سمجھ کر قبول نہ کرے - پہلے یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا "ہم نے سُن لیا مگر مانا نہیں" مشرکین مکہ کا قول آگے آتا ہے - "قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا" یعنی جو قرآن آپ سناتے ہیں بس ہم نے سُن لیا - اگر ہم چاہیں تو اسی جیسا کلام بنا کر لے آئیں - مدینہ کے منافقین کا تو شیوہ یہ تھا کہ پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کے سامنے زبانی اقرار کر گئے اور دل سے اُسی طرح منکر رہے - بہر حال مومن صادق کی شان ان یہود اور مشرکین و منافقین کی طرح نہ ہونی چاہئے - اس کی شان یہ ہے کہ دل سے زبان سے عمل سے حاضر و غائب احکامِ الٰہیہ اور فرامینِ نبویہ پر نثار ہوتا رہے - ف۷ جنہیں خدا نے بولنے کو زبان سننے کو کان اور سمجھنے کو دل و دماغ دیئے تھے پھر انہوں نے

بقیہ فوائد صفحہ ۲۳۷ - یہ سب قوتیں معطل کر دیں۔ نہ زبان سے حق بولنے اور حق کو دریافت کرنے کی توفیق ہوئی نہ کانوں سے حق کی آواز سنی نہ دل و دماغ سے حق کو سمجھنے کی کوشش کی۔ غرض خدا کی بخشی ہوئی قوتوں کو اس اصلی کام میں صرف نہ کیا جس کے لئے فی الحقیقت عطا کی گئی تھیں۔ بلاشبہ ایسے لوگ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

فوائد صفحہ ہذا۔ ف ۱ - یعنی اصل یہ ہے کہ ان لوگوں میں بھلائی کی جڑ ہی نہیں۔ کیونکہ حقیقی بھلائی انسان کو اُس وقت ملتی ہے جب اُس کے دل میں طلب حق کی سچی تڑپ اور نورِ ہدایت قبول کرنے کی لیاقت ہو۔ جو قوم طلبِ حق کی رُوح سے یکسر خالی ہو چکی اور اس طرح خدا کی بخشی ہوئی قوتوں کو اپنے ہاتھوں برباد کر چکی ہو، رفتہ رفتہ اُس میں قبول حق کی لیاقت و استعداد بھی نہیں رہتی۔ اسی کو فرمایا ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں میں قبول خیر و ہدایت کی لیاقت نہیں دیکھی۔ اگر اُن میں کچھ بھی لیاقت دیکھتا تو اپنی عادت کے موافق ضرور ان کو اپنی آیتیں سُنا کر سمجھا دیتا۔ باقی بحالت موجودہ اگر انہیں آیات سُنا اور سمجھا دی جائیں تو یہ ضدی اور معاند لوگ سمجھ کر بھی تسلیم اور قبول کرنے والے نہیں۔ **ف ۲** یعنی خدا و رسُول تم کو جس کام کی طرف دعوت دیتے ہیں (مثلاً جہاد وغیرہ) اُس میں از سرتا پا تمہاری بھلائی ہے۔ اُن کا دعوتی پیغام تمہارے لئے دنیا میں عزت و اطمینان کی زندگی اور آخرت میں حیاتِ ابدی کا پیغام ہے۔ پس مومنین کی شان یہ ہے کہ خدا اور رسول کی پکار پر فوراً لبیک کہیں۔ جس وقت اور جدھر وہ بلائیں سب اشغال چھوڑ کر اُدھر ہی پہنچیں۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا
اور اگر اللہ جانتا اُن میں کچھ بھلائی تو اُن کو سُنا دیتا اور اگر اُن کو اب سُنا دے تو ضرور بھاگیں

وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٣﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ
منہ پھیر کر ف ۱ اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور

لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ
رسُول کا جس وقت بلائے تمکو اُس کام کی طرف جسمیں تمہاری زندگی ہے ف ۲ اور جان لو کہ اللہ روک لیتا ہے

بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً
آدمی سے اُس کے دل کو اور یہ کہ اُسی کے پاس تم جمع ہو گے ف ۳ اور بچتے رہو اُس فساد سے

لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ
کہ نہیں پڑے گا تم میں سے خاص ظالموں ہی پر اور جان لو کہ

اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢٥﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ
اللہ کا عذاب سخت ہے ف ۴ اور یاد کرو جس وقت تم تھوڑے تھے مغلوب پڑے ہوئے

فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَ
مُلک میں ڈرتے تھے کہ اُچک لیں تم کو لوگ پھر اُس نے تم کو ٹھکانا دیا

اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٢٦﴾
اور قوت دی تم کو اپنی مدد سے اور روزی دی تم کو سُتھری چیزیں تاکہ تم شکر کرو ف ۵

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ
اے ایمان والو! خیانت نہ کرو اللہ سے اور رسُول سے اور خیانت نہ کرو آپس کی امانتوں میں

وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ
جان کر ف ۶ اور جان لو کہ بیشک تمہارے مال اور اولاد خرابی میں ڈالنے والے ہیں

ع ۳
وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٨﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا
اور یہ کہ اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے ف ۷ اے ایمان والو! اگر تم ڈرتے رہو گے

ف ۳ یعنی حکم بجالانے میں دیر نہ کرو، شاید تھوڑی دیر بعد دل ایسا نہ رہے اپنے دل پر آدمی کا قبضہ نہیں بلکہ دل خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جدھر چاہے پھیر دے۔ بیشک وہ اپنی رحمت سے کسی کا دل ابتداءً نہیں روکتا نہ اُس پر مُہر کرتا ہے۔ ہاں جب بندہ امتثال احکام میں سستی اور کاہلی کرتا رہے تو اس کی جزا میں روک دیتا ہے۔ یا حق پرستی چھوڑ کر ضد و عناد کو شیوہ بنا لے تو مُہر کر دیتا ہے۔ کذا فی الموضح بعض نے "يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ" کو بیان قرب کے لئے لیا ہے یعنی حق تعالیٰ بندہ سے اس قدر قریب ہے کہ اُس کا دل بھی اتنا قریب نہیں۔ "نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ" (ق رکوع ۲) تو خدا کی حکمبرداری سچے دل سے کرو۔ خدا تم سے بڑھ کر تمہارے دلوں کے احوال و سرائر پر مطلع ہے۔ خیانت اُس کے آگے نہیں چل سکیگی۔ اُسی کے پاس سب کو جمع ہونا ہے وہاں سارے مکنونات و سرائر کھول کر رکھ دیئے جائینگے۔

ف ۴ یعنی فرض کیجئے ایک قوم کے اکثر افراد نے ظلم و عصیان کا وتیرہ اختیار کر لیا، کچھ لوگ جو اُس سے علیحدہ رہے انہوں نے مداہنت برتی، نہ نصیحت کی نہ اظہار نفرت کیا تو یہ فتنہ ہے جس کی لپیٹ میں وہ ظالم اور یہ خاموش مداہن سب آجائیں گے۔ جب عذاب آئیگا تو حسب مراتب سب اُس میں شامل ہونگے کوئی نہ بچیگا اس تفسیر کے موافق آیت سے مقصود یہ ہوگا کہ خدا اور رسول کی حکمبرداری کے لئے خود تیار رہو اور نافرمانوں کو نصیحت و فہمائش کرو نہ مانیں تو بیزاری کا اظہار کرو۔ باقی حضرت شاہ صاحبؒ نے آیت کا مطلب یہ لیا ہے کہ مسلمانوں کو ایسے فساد (گناہ) سے بالخصوص بچنا چاہیئے جس کا خراب اثر گناہ کرنیوالے کی ذات سے متعدی ہو کر دوسروں تک پہنچتا ہے۔ پہلے فرمایا تھا کہ خدا اور رسول کا حکم ماننے میں ادنیٰ تاخیر اور کاہلی نہ کرے کہیں دیر کرنے کی وجہ سے دل نہ ہٹ جائے۔ اب تنبیہ فرماتے ہیں کہ اگر نیک لوگ کاہلی کرینگے تو عام لوگ بالکل چھوڑ دینگے تو رسم بد پھیلے گی۔ اُس کا وبال سب پر پڑیگا۔ جیسے جنگ میں دلیر سستی کریں تو نامرد بھاگ ہی جائیں۔ پھر شکست پڑے تو دلیر بھی نہ تھام سکیں۔

ف ۵ یعنی اپنی قلت و ضعف کو خیال کر کے خدا کا حکم (جہاد) ماننے میں سُستی مت دکھلاؤ۔ دیکھو۔ ہجرت سے پہلے بلکہ اُس کے بعد بھی تمہاری تعداد تھوڑی تھی، سامان بھی نہ تھا۔ تمہاری کمزوری کو دیکھ کر لوگوں کو طمع ہوئی تھی کہ تم کو ہضم کر جائیں۔ تمہیں ہر وقت یہ خدشہ رہتا تھا کہ دشمنان اسلام کہیں نوچ کھسوٹ کر نہ لیجائیں۔ مگر خدا نے تم کو مدینہ میں ٹھکانا دیا، انصار و مہاجرین میں عدیم النظیر رشتۂ مواخات قائم کر دیا۔ پھر معرکۂ بدر میں کیسی کھلی ہوئی غیبی امداد پہنچائی۔ کفار کی جڑ کاٹ دی، تم کو فتح الگ دی، مال غنیمت اور فدیہ اساریٰ الگ دیا غرض حلال طیب ستھری چیزیں اور انواع و اقسام کی نعمتیں عطا فرمائیں تاکہ تم اُس کے شکر گذار بندے بنے رہو۔ **ف ۶** خدا اور رسول کی خیانت یہ ہے کہ اُن کے احکام کی خلاف ورزی کی جائے۔ زبان سے اپنے کو مسلمان کہیں اور کام کفار کے کریں۔ یا جس کام پر خدا اور رسُول نے مامور کیا ہو اُس میں دغل فصل کیا جائے۔ یا مالِ غنیمت میں چوری کی جائے۔ ونحو ذٰلک۔ بہرحال اُن تمام امانتوں میں جو خدا و رسُول یا بندوں کی طرف سے تمہارے سپرد کی جائیں، خیانت سے بچو۔ اس میں ہر قسم کے حقوق اللہ و حقوق العباد آگئے۔ روایات میں ہے کہ یہود "بنی قریظہ" نے جب حضورؐ سے صلح کی درخواست کی اور یہ کہ اُن کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو بنی النضیر کے ساتھ ہوا ہے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا "نہیں، مَیں تم کو اتنا حق دیتا ہوں کہ سعد بن معاذ کو حَکم بنا لو، جو فیصلہ وہ تمہاری نسبت کر دیں وہ منظور ہونا چاہیئے" انہوں نے حضرت ابو لبابہ کو حضورؐ سے اجازت لے کر اپنے یہاں بُلایا اور دریافت کیا کہ تمہاری اس معاملہ میں کیا رائے ہے؟ ہم سعد بن معاذ کی تحکیم منظور کریں یا نہ کریں۔ ابو لُبابہ کے اموال اور اہل و عیال بنی قریظہ کے یہاں تھے، اس لئے وہ اُن کی خیر خواہی کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے حلقوم کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا یعنی اگر سعد بن معاذ کی تحکیم قبول کی تو ذبح ہو جاؤ گے۔ ابو لُبابہ اشارہ تو کر گذرے مگر معاً تنبہ ہوا کہ مَیں نے خدا و رسول کی خیانت کی۔ واپس آکر اپنے کو ایک ستون سے باندھ دیا اور عہد کیا کہ نہ کچھ کھاؤنگا نہ پیونگا حتیٰ کہ موت آجائے یا اللہ تعالےٰ میری توبہ قبول فرمالے۔ سات آٹھ دن یونہی بندھے رہے۔ فاقہ سے غشی طاری

(بقیہ صفحہ ۲۳۹)

بقیہ فوائد صفحہ ۲۳۸ - ہوگئی - آخر بشارت پہنچی کہ حق تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کی - کہا خدا کی قسم میں اپنے کو نہ کھولونگا جب تک خود نبی کریم صلعم اپنے دست مبارک سے میری رسی نہ کھولیں - آپ تشریف لائے اور اپنے ہاتھ سے اپنے قیدی کو آزاد کیا - الیٰ آخر القصہ (ابن عبدالبر کا دعویٰ ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے کی بنا پر پیش آیا تھا واللہ اعلم) ف آدمی اکثر مال و اولاد کی خاطر خدا کی اور بندوں کی چوری کرتا ہے - اس لئے متنبہ فرمایا کہ امانتداری کی جو قیمت خدا کے یہاں ہے، وہ یہاں کے مال و اولاد وغیرہ سب چیزوں سے بڑھ کر ہے۔

فوائد صفحہ ہذا - ف۱ یعنی اگر خدا سے ڈر کر راہ تقویٰ اختیار کروگے تو خدا تم میں اور تمہارے مخالفوں میں فیصلہ کر دیگا - دنیا میں بھی کہ تم کو عزّت دیگا اور اُن کو ذلیل یا ہلاک کریگا جیسے بدر میں کیا اور آخرت میں بھی کہ تم نعیم دائم میں رہوگے اور اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا - وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ (یٰس رکوع ۴) هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ (المرسلات رکوع ۱) دوسری بات یہ ہے کہ تقویٰ کی برکت سے حق تعالیٰ تمہارے دل میں ایک نور ڈال دیگا جس سے تم ذوقًا و وجدانًا حق و باطل اور نیک و بد کا فیصلہ کر سکوگے - اس کے علاوہ ایک بات حضرت شاہ صاحبؒ نے لکھی ہے کہ "شاید فتح بدر میں مسلمانوں کے دل میں آیا ہو کہ یہ فتح اتفاقی ہے حضرتؐ سے مخفی کافروں پر احسان کریں کہ ہمارے گھر بار اور اہل و عیال کو مکہ میں نہ ستاویں، سو پہلی آیت میں خیانت کو منع فرمایا اور دوسری آیت میں تسلی دی کہ آگے فیصلہ ہو جاویگا، تمہارے گھر بار کافروں میں گرفتار نہ رہیں گے۔

اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ

اللہ سے تو کر دیگا تم میں فیصلہ ف۱ اور دُور کر دیگا تم سے تمہارے گناہ اور تم کو بخش دے گا

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور اللہ کا فضل بڑا ہے اور جب فریب کرتے تھے کافر

لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ

کہ تجھ کو قید کر دیں یا مار ڈالیں یا نکال دیں اور وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا

وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ

اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے ف۲ اور جب کوئی پڑھے اُن پر ہماری آیتیں تو کہیں ہم

سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ

سُن چکے اگر ہم چاہیں تو ہم بھی کہہ لیں ایسا یہ تو کچھ بھی نہیں مگر احوال ہیں

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ

اگلوں کے ف۳ اور جب وہ کہنے لگے کہ یا اللہ اگر یہی دین حق ہے تیری

عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ

طرف سے تو ہم پر برسا دے پتھر آسمان سے یا لا ہم پر کوئی عذاب

اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ

دردناک ف۴ اور اللہ ہرگز نہ عذاب کرتا اُن پر جب تک تو رہتا اُن میں ف۵ اور اللہ ہرگز نہ عذاب

مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ

کریگا اُن پر جب تک وہ معافی مانگتے رہینگے ف۶ اور اُن میں کیا بات ہے کہ عذاب نہ کرے اُن پر اللہ اور وہ تو

يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ

روکتے ہیں مسجد حرام سے اور وہ اُسکے اختیار والے نہیں اُسکے اختیار والے تو وہی ہیں

اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ

جو پرہیزگار ہیں لیکن اُن میں اکثروں کو اس کی خبر نہیں ف۷ اور اُن کی نماز نہیں تھی

ف۲ ہجرت سے پیشتر کفار مکہ نے دارالندوہ میں جمع ہو کر مشورہ کیا، کہ محمد (صلعم) کے متعلق کیا کیا جائے - انہوں نے ساری قوم کو پریشان کر رکھا ہے اور باہر کے کچھ لوگ ان کے دام میں پھنستے جاتے ہیں کہیں رفتہ رفتہ بڑی طاقت اکٹھی نہ کرلیں جس کا مقابلہ دشوار ہو - اُس وقت رائیں مختلف تھیں، کوئی کہتا تھا، قید کیا جائے اور خوب زخمی کئے جائیں، کسی کی رائے تھی کہ انہیں وطن سے نکال دیا جائے تاکہ ہمیں ہر وقت کے خرخشہ سے نجات ملے - اخیر میں ابوجہل کی رائے پر فیصلہ ہوا کہ تمام قبائل عرب میں سے ایک ایک جوان منتخب ہو اور وہ سب مل کر آن واحد میں ان پر تلوار کا ہاتھ چھوڑیں، تاکہ بنی ہاشم سارے عرب سے لڑائی نہ کر سکیں اور دیت دینی پڑے تو تمام قبائل پر تقسیم ہو جائے - یہاں تو وہ اشقیاء یہ تدبیریں گانٹھ رہے تھے، اُدھر اُن کے توڑ میں خدا کی بہترین اور لطیف تدبیر تھی، حضورؐ کو فرشتہ نے اطلاع کی آپؐ اپنے بستر پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو لٹا کر اُسی مجمع کی آنکھوں میں جو آپؐ کے قتل کے لئے جمع ہوا تھا خاک جھونکتے ہوئے باہر تشریف لے گئے - آپؐ کا اور حضرت علیؓ کا بال بیکا نہ ہوا اور دشمن خائب و خاسر رہے - پھر جنہوں نے آپؐ کے قتل کا مشورہ دیا تھا بدر میں وہ ہی قتل کئے گئے - اس سے بتلا دیا کہ جب خدا ساتھی ہو تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا اور جس طرح اُس نے اپنے پیغمبر کو بچا لیا، تمہارے گھر بار اور اہل و عیال کی بھی جو مکہ میں ہیں حفاظت کر سکتا ہے - دشمن اگر قوی است نگہباں قوی تر است۔

ف۳ نضر بن الحارث کہا کرتا تھا کہ ہم چاہیں تو قرآن جیسا کلام بنا لائیں اس میں قصے کہانیوں کے سوا کیا رکھا ہے - مگر قرآن تو سب جھگڑوں کا فیصلہ اسی بات پر رکھتا تھا - پھر چاہا کیوں نہیں؟ کسی نے کہا تھا کہ میرا گھوڑا اگر چلے تو ایک دن میں لندن پہنچے، مگر چلتا نہیں - بہر حال پچھلی قوموں کے احوال سُن کر کہا کرتے تھے کہ سب قصے کہانیاں ہیں - اب بدر میں دیکھ لیا کہ محض افسانے نہ تھے، وعدۂ عذاب تم پر بھی آیا جیسے پہلوں پر آیا تھا۔

ف۴ اس آیت میں مشرکین مکہ کے انتہائی جہل اور شقاوت و عناد کا اظہار ہے یعنی وہ کہتے تھے کہ خداوندا اگر واقعی یہ ہی دین حق ہے جس کی ہم اتنی دیر اور اس قدر شد و مد سے تکذیب کر رہے ہیں تو پھر دیر کیوں ہے؟ گذشتہ اقوام کی طرح ہم پر بھی پتھروں کا مینہ کیوں نہیں برسا دیا جاتا۔ یا اسی طرح کے کسی دوسرے عذاب میں مبتلا کر کے ہمارا استیصال کیوں نہیں کر دیا جاتا؟ کہتے ہیں کہ یہ دعاء ابوجہل نے مکہ سے نکلتے وقت کعبہ کے سامنے کی - آخر جو کچھ مانگا تھا اُسکا ایک نمونہ بدر میں دیکھ لیا - وہ خود مع ۶۹ سرداروں کے کمزور اور بے سر و سامان مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارا گیا - ستر سردار اسیری کی ذلت میں گرفتار ہوئے - اس طرح خدا نے اُن کی جڑ کاٹ دی - بیشک قوم لوط کی طرح اُن پر آسمان سے پتھر نہیں برسے لیکن ایک مٹھی سنگریزے جو خدا تعالیٰ نے محمد صلعم کے ہاتھ سے پھینکے تھے وہ آسمانی سنگباری کا چھوٹا سا نمونہ تھا - فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى - ف۵ سُنّۃ اللہ یہ ہی کہ جب کسی قوم پر تکذیب انبیاء کی وجہ سے عذاب نازل کرتے ہیں تو اپنے پیغمبر کو اُن سے علیحدہ کر لیتے ہیں - خدا نے جب حضرت محمد رسول اللہ صلعم کو مکہ سے علیحدہ کر لیا تب مکہ والے بدر کے عذاب میں پکڑے گئے - ف۶ نزول عذاب سے دو چیزیں مانع ہیں، ایک اُن کے درمیان پیغمبر کا موجود رہنا - دوسرے استغفار یعنی مکہ میں حضرتؐ کے قدم سے عذاب اٹک رہا تھا - اب اُن پر عذاب آیا - اسی طرح جب تک گنہگار نادم رہے اور توبہ کرتا رہے تو پکڑا نہیں جاتا اگرچہ بڑے سے بڑا گناہ ہو - حضرتؐ نے فرمایا کہ گنہگاروں کی پناہ دو چیزیں ہیں - ایک میرا وجود، اور دوسرے استغفار، کذا فی الموضح - (تنبیہ) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ کے جو معنی مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے کئے بعض مفسرین کے موافق ہیں، لیکن اکثر کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین جس قسم کا خارق عادت عذاب طلب کر رہے تھے جو قوم کی قوم کا دفعۃً استیصال کر دے اُن پر ایسا عذاب بھیجنے سے دو چیزیں مانع ہیں ایک حضورؐ کا وجود باجود کہ اُس کی برکت سے اس اُمّت پر خواہ "امۃ دعوۃ" ہی کیوں نہ ہو ایسا خارق عادت مستاصل عذاب نہیں آتا - یوں کسی وقت افراد و آحاد پر آ جائے وہ اس کے منافی نہیں - دوسرے استغفار کرنیوالوں کی موجودگی خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم جیسا کہ منقول ہے کہ مشرکین مکہ بھی تلبیہ و طواف وغیرہ میں

(باقی برصفحہ ۲۴۰)

بقیہ فوائد صفحہ ۲۳۹ - "غفرانک، غفرانک" کہا کرتے تھے۔ باقی غیر خارق معمولی عذاب (مثلاً قحط یا دبا، یا قتل کثیر وغیرہ) اُس کا نزول پیغمبر یا بعض مستغفرین کی موجودگی میں بھی ممکن ہے آخر جب وہ لوگ شرارتیں کرینگے تو خدا کی طرف سے تنبیہ کیوں نہ کی جائیگی۔ آگے اُسی کو بیان فرمایا ہے۔ **ف** یعنی عذاب کا نہ آنا اُن دو سببے ہے جو اُوپر مذکور ہوئے، ورنہ تمہاری شرارتیں اور ظلم و شقاوت تو ایسی چیزیں ہیں کہ فوراً عذاب آجانا چاہئے۔ اس سے زیادہ ظلم کیا ہوگا کہ موحدین کو حرم شریف میں آنے یا عبادت کرنے سے طرح طرح کے حیلے تراش کر روکا جائے بلکہ اُن کے وطن (مکہ معظمہ) سے نکال کر ہمیشہ کے لئے کوشش کی جائے کہ یہ خدا کے پاکباز اور عبادت گذار بندے یہاں نہ آنے پائیں۔ اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اس ظلم کے جواز کے لئے یہ سند پیش کی جاتی ہو کہ ہم حرم شریف کے متولی با اختیار ہیں جسکو چاہیں آنے دیں جسے چاہیں روک دیں۔ یہ ہمارا حق ہے حالانکہ اول تو یہ حق متولی کو بھی نہیں کہ مسجد میں لوگوں کو نماز و عبادت سے روکے۔ دوسرے حق تولیت ان کو پہنچتا بھی نہیں۔ حرم شریف کے متولی صرف متقی اور پرہیزگار بندے ہوسکتے ہیں مشرک اور بدمعاش اس کے حقدار نہیں ہوسکتے۔ لیکن ان میں کے اکثر اپنی جہالت سے یوں سمجھ رہے ہیں کہ ہم اولاد ابراہیم ہیں اور فلاں قبیلہ سے ہیں تو لیت کعبہ ہمارا موروثی حق ہے جسکے لئے کوئی خاص شرط و قید نہیں۔ سو تبلا دیا کہ اولادِ ابراہیم میں جو پرہیزگار ہو اسی کا حق ہے۔ ایسے بے انصافوں کا حق نہیں کہ جس سے وہ آپ ناخوش ہوئے نہ آنے دیا۔

عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ
کعبہ کے پاس مگر سیٹیاں بجانی اور تالیاں سو چکھو عذاب بدلہ اپنے
تَكْفُرُوْنَ ۝٣٥ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا
کفر کا **ف۱** بیشک جو لوگ کافر ہیں وہ خرچ کرتے ہیں اپنے مال تاکہ روکیں
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ
اللہ کی راہ سے **ف۲** سو ابھی اور خرچ کرینگے پھر آخر ہوگا وہ اُن پر افسوس اور آخر
يُغْلَبُوْنَ ۬ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۝٣٦ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ
مغلوب ہونگے اور جو کافر ہیں وہ دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے **ف۳** تاکہ جُدا کردے اللہ
الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ
ناپاک کو پاک سے اور رکھے ناپاک کو ایک کو ایک پر
فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝٣٧ ع
پھر اُس کو ڈھیر کردے اکھٹا، پھر ڈالدے اُس کو دوزخ میں **ف۴** وہی لوگ ہیں نقصان میں **ف۵**
قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ
تو کہہ دے کافروں کو کہ اگر وہ باز آجائیں تو معاف ہو اُن کو جو کچھ ہو چکا **ف۶**
وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۝٣٨ وَقَاتِلُوْهُمْ
اور اگر پھر بھی وہی کرینگے تو پڑ چکی ہے راہ اگلوں کی **ف۷** اور لڑتے رہو اُن سے
حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ
یہاں تک کہ نہ رہے فساد **ف۸** اور ہو جائے حکم سب اللہ کا **ف۹** پھر اگر
انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝٣٩ وَاِنْ تَوَلَّوْا
وہ باز آجائیں تو اللہ اُن کے کام کو دیکھتا ہے **ف۱۰** اور اگر وہ نہ مانیں
فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝٤٠
تو جان لو کہ اللہ تمہارا حمایتی ہے کیا خوب حمایتی ہے اور کیا خوب مددگار ہے **ف۱۱**

فوائد صفحہ ہذا۔ ف۱ یعنی حقیقی نمازیوں کو مسجد سے روکتے ہیں اور خود اُن کی نماز کیا ہے؟ کعبہ کا برہنہ ہو کر طواف کرنا اور ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجانا، جیسے آج بھی بہت سی قومیں گھنٹیاں اور ناقوس بجانے کو بڑی عبادت سمجھتی ہیں۔ غرض نہ خود اللہ کی عبادت کرتے ہیں نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں۔ ان بے معنی اور لغو باتوں کو عبادت قرار دے رکھا ہے۔ بعض نے کہا کہ سیٹیاں اور تالیاں بجانا مسلمانوں کی عبادت میں خلل ڈالنے کے لئے ہوتا تھا یا ازراہِ استہزاء و تمسخر ایسا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

ف۲ بدر میں بارہ سرداروں نے ایک ایک دن اپنے ذمہ لیا تھا کہ ہر روز ایک شخص لشکر کو کھانا کھلائے گا۔ چنانچہ دس اُونٹ روزانہ کسی ایک کی طرف سے ذبح کئے جاتے تھے۔ پھر جب شکست ہوگئی تو ہزیمت خوردہ مجمع نے مکہ پہنچ کر ابوسفیان وغیرہ سے کہا کہ جو مال تجارتی قافلہ لایا ہے، وہ سب محمد (صلعم) سے انتقام لینے میں صرف کیا جائے۔ چنانچہ سب اس پر راضی ہوگئے۔ اسی طرح کے خرچ کرنیکا یہاں ذکر ہے۔

ف۳ جب دنیا میں مغلوب و مقہور اور آخرت میں معذب ہونگے، تب افسوس و حسرت سے ہاتھ کاٹینگے کہ مال بھی گیا اور کامیابی بھی نہ ہوئی۔ چنانچہ اوّل بدر میں پھر اُحد وغیرہ میں سب مالی اور جسمی طاقتیں خرچ کر دیکھیں کچھ نہ کرسکے آخر ہلاک یا رسوا ہوئے یا نادم ہو کر کفر سے توبہ کی۔

ف۴ موضح القرآن میں ہے کہ آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ اسلام کو غالب کریگا اس درمیان میں کافر اپنا جان و مال کا زور خرچ کر لینگے۔ تانیک و بد جُدا ہو جاوے یعنی جن کی قسمت میں اسلام لکھا ہے وہ سب مسلمان ہو چکیں اور جن کو کفر پر مرنا ہے وہی اکھٹے دوزخ میں جائیں۔

ف۵ یعنی دنیوی و اُخروی دونوں قسم کا نقصان اور خسارہ اُٹھایا۔

ف۶ یعنی اگر اب بھی کفر و طغیان اور عداوت اسلام سے باز آجائیں، اور پیغمبر علیہ السلام کی حلقہ بگوشی اختیار کرلیں تو پہلے حالت کفر میں جو گناہ کر چکے، وہ سب معاف کر دیئے جائیں گے۔ اَلْاِسْلَامُ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ (حقوق العباد معاف نہ ہونگے، اُن کا مسئلہ علیحدہ ہے)

ف۷ یعنی جس طرح اگلے لوگ پیغمبروں کی تکذیب و عداوت سے تباہ ہوئے، ان پر بھی تباہی آیگی۔ یا یہ مطلب ہے کہ جیسے بدر میں ان کے بھائی بندوں کو سزا دی گئی انہیں بھی سزا دی جائیگی۔

ف۸ یعنی کافروں کا زور نہ رہے کہ ایمان سے روک سکیں یا مذہب حق کو موت کی دھمکی دے سکیں۔ جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کفار کو غلبہ ہوا مسلمانوں کا ایمان اور مذہب خطرہ میں پڑ گیا۔ اسپین کی مثال دنیا کے سامنے ہے کہ کس طرح قوت اور موقع ہاتھ آنے پر مسلمانوں کو تباہ کیا گیا یا مرتد بنایا گیا۔ بہر حال جہاد و قتال کا اولین مقصد یہ ہے کہ اہل اسلام مامون و مطمئن ہو کر خدا کی عبادت کرسکیں اور دولت ایمان و توحید کفار کے ہاتھوں سے محفوظ ہو (چنانچہ فتنہ کی یہ ہی تفسیر ابن عمر وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے کتب حدیث میں منقول ہے)

ف۹ یہ "جہاد" کا آخری مقصد ہے کہ کفر کی شوکت نہ رہے۔ حکم اکیلے خدا کا چلے۔ دین حق سب ادیان پر غالب آجائے۔ (لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ) خواہ دوسرے باطل ادیان کی موجودگی میں جیسے خلفائے راشدین وغیرہم کے عہد میں ہوا، یا سب باطل مذاہب کو ختم کرکے، جیسے نزول مسیح کے وقت ہوگا۔ بہر حال یہ آیت اس کی واضح دلیل ہے کہ جہاد و قتال خواہ ہجومی ہو یا دفاعی، مسلمانوں کے حق میں اُس وقت تک برابر مشروع ہے جب تک یہ دونوں مقصد حاصل نہ ہو جائیں۔ اسی لئے حدیث میں آگیا۔ اَلْجِهَادُ مَاضٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (جہاد کے احکام و شرائط وغیرہ کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کی جائے)

ف۱۰ یعنی جو ظاہر میں اپنی شرارت اور کفر سے باز آجائیں، اُن سے قتال نہیں۔ اُن کے دلوں کا حال اور مستقبل کی کیفیات کو خدا کے سپرد کیا جائیگا۔ جیسا کام وہ کرینگے خدا کی آنکھ سے غائب ہو کر نہیں کرسکتے۔ مسلمان صرف ظاہر حال کے موافق عمل کرنے کے مکلف ہیں وفی الحدیث اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِذَا قَالُوْهَا عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ۔

ف۱۱ یعنی مسلمانوں کو چاہئے کہ خدا کی مدد اور حمایت پر بھروسہ کرکے جہاد کریں۔ کفار کی کثرت اور ساز و سامان سے مرعوب نہ ہوں۔ جیسے "جنگ بدر" میں دیکھ چکے کہ خدا نے مسلمانوں کی کیا خوب امداد و حمایت کی۔